علو العباد من علوم الرشاد

(فضیلتِ علم وعمل)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید وضرورت	۵
۲	آداب مجلس	۶
۳	آداب مجلس کے حکم کا اہتمام	۷
۴	مہتم بالشان عمل	۹
۵	شبہ کا ازالہ	۱۰
۶	بعض صوفیاء کی غلط فہمی کا ازالہ	۱۱
۷	چھوٹی چیزوں کی اہمیت	۱۲
۸	اعمال کی نورانیت	۱۴
۹	حسنِ معاشرت	۱۵
۱۰	حضور ﷺ کی شفقت	۱۷
۱۱	حضور ﷺ کا تعلیم معاشرت کا اہتمام	۱۸
۱۲	عملی تعلیم اور اس کا اثر	۱۹
۱۳	ہماری بدحالی	۱۹
۱۴	حضور ﷺ کے سامنے اعمال کی پیشی	۲۰
۱۵	آج کل کا تصوف	۲۱
۱۶	حقوق العباد کی اہمیت	۲۲
۱۷	حضور ﷺ کا حلم	۲۴
۱۸	جانوروں کے حقوق	۲۴
۱۹	شفقت پر گرانی	۲۶
۲۰	اسلام پر اعتراض کی وجہ	۲۷
۲۱	اسلام میں صفائی اور پاکیزگی کا اہتمام	۲۸

۲۲	حقانیتِ اسلام	۲۹
۲۳	اصلاحِ اخلاق	۳۰
۲۴	اخلاق اور تکبر کا اثر	۳۱
۲۵	جاہل طبیب کی مثال	۳۲
۲۶	عجب کا علاج	۳۳
۲۷	جاہلوں کا افعال خداوندی پر اعتراض	۳۵
۲۸	تکبر کفر کا بھی باپ ہے	۳۶
۲۹	تکبر کی نشانیاں	۳۷
۳۰	تکبر کا علاج	۴۰
۳۱	آرام کا مدار	۴۱
۳۲	عوام اور علماء کے اعمال میں فرق	۴۳
۳۳	اہل علم کی فضیلت کی وجہ ان کا تکمیل عمل ہے	۴۳
۳۴	عارف کی نماز کی فضیلت	۴۴
۳۵	اتباعِ سنت کا فائدہ	۴۴
۳۶	علم کی فضیلت کی ایک اور وجہ	۴۵
۳۷	شریعت اور سائنس	۴۵
۳۸	علم سے مراد علم دین ہے علم دنیا نہیں	۴۶
۳۹	حال و قال	۴۷
۴۰	اصلاح باطن کی ضرورت	۴۸
۴۱	علم حقیقی	۴۹
۴۲	غیر ضروری علوم سے احتراز	۵۰
۴۳	سب کے لئے حسبِ حال تعلیم	۵۱
۴۴	حال کی حقیقت	۵۲
۴۵	کامیابی کا طریق	۵۲
۴۶	بلا مشقت علم و عمل کے حصول کی تمنا کی مثال	۵۳

وعظ

علو العباد من علوم الرشاد

(فضیلتِ علم وعمل)

یہ وعظ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آداب مجالس اور فضیلت علم وعمل کے متعلق مدرسہ عبدالرب دہلی میں ۱۹ شعبان ۱۳۳۵ھ کو تقریباً پندرہ سو کے مجمع میں کھڑے ہوکر بیان فرمایا جو تین گھنٹوں میں ختم ہوا۔

جس میں فرمایا کہ ”ہماری حالت ایسی نکمی اور ردی ہوگئی ہے کہ قابل بیان نہیں۔ نہ ہمارے عقائد کامل ہیں، نہ اعمال وعبادات، نہ معاملات، نہ معاشرت، نہ اخلاق، نہ اقوال واحوال، غرض ہر چیز ناقص وکمزور ہے، اگر صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ ہوکر ہمیں دیکھیں تو ہمیں حضور کی امت میں خیال کرنا انکو دشوار ہوجائے“۔

اسے مولوی اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی نے قلمبند کیا۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قِیۡلَ لَکُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِی الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا یَفۡسَحِ اللّٰہُ لَکُمۡ ۚ وَاِذَا قِیۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ﴾ (۱)

تمہید وضرورت

یہ سورۂ مجادلہ کی آیت ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیت میں بعض آداب مجالس کے بیان فرمائے ہیں، ہر چند کہ آیت کا شان نزول خاص ہے مجلس جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، لیکن چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے خصوص مورد کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ عموم الفاظ کے اعتبار سے حکم عام ہوگا۔ (۲) پس خاص حضور ﷺ ہی کی مجلس کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم تمام مجالس کو عام ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے اس

(۱) ''اے ایمان والوں جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دے گا اور جب یہ کہا جاوے کہ اٹھ کھڑے ہو تو تم اٹھ کھڑے ہوا کرو! اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا اور اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال کی پوری خبر ہے'' سورۂ مجادلہ: ۱۱ (۲) پس ایک خاص واقعہ میں یہ حکم نازل ہونے کی وجہ سے اس کو اس وقت کے ساتھ خاص نہیں کرینگے بلکہ تمام مجالس کے لئے یہی حکم ہوگا۔

جگہ اس حکم کے جو کہ دو حکموں پر مشتمل ہے امثال پر (۱) اس کے ثمرہ کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ پہلے حکم اور اس کے ثمرہ کے لئے ارشاد ہے: ﴿اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ﴾ (۲) یہ تو پہلا حکم اور اس کا ثمرہ ہے آگے بذریعہ عطف دوسرا حکم اور اس کا ثمرہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ (۳) یہ تو حکم ہے اور اس کا ثمرہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (۴)

اور اس ثمرہ اور اس کے وعدہ میں اول تعلیم فرمائی اس کے بعد تخصیص کے طور پر بعض لوگوں کے واسطے یعنی اہل علم کے لئے ثمرہ جداگانہ بیان فرمایا اور تخصیص بعدالتعمیم بقواعد بلاغت اہتمام کو مقتضی ہوتی ہے (۵) اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کو چاہیئے کہ اس کو مہتم بالشان سمجھ کر اس کا خاص طور پر اہتمام کریں۔ اور اس وقت اس کو بیان کے لئے اس واسطے اختیار کیا گیا کہ یہ امر بظاہر شعائر و ارکان دین سے نہیں بلکہ ایک معمولی سی عادت ہے جس کی ہر جلسہ میں ضرورت ہوتی ہے مگر عام طور پر لوگ اس کو ضروریات سے خیال نہیں کرتے اس لئے اس کو بیان کے لئے اختیار کیا گیا۔

آدابِ مجلس

اس اجمال کی تفصیل اس کے ترجمہ سے واضح ہوجائے گی، اور ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں فراخی کردو تو فراخی کردیا کرو جب تم سے کہا جاوے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جایا کرو! یعنی اگر اس جگہ سے اٹھنے

(۱) اس حکم کی بجا آوری (۲) ''جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دیگا'' (۳) ''جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو'' (۴) ''اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردیگا'' (۵) کسی حکم کو عام بیان کرنے کے بعد اس میں کچھ لوگوں کی تخصیص کرنا علم بلاغت کے قواعد کی رو سے اس حکم کے اہم ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

کا امر ہو(۱) تو اس جگہ سے اٹھ جایا کرو پھر خواہ تم کو دوسری جگہ بیٹھنے کا حکم ہو جاوے خواہ چل دینے کا امر ہو اسی پر عمل کیا کرو (استکبار و انکار(۲) نہ کیا کرو) اور ظاہر ہے کہ یہ امر عقائد میں سے نہیں، اعمال رکنیہ میں سے نہیں، مالی حقوق میں سے نہیں، اس لئے اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا۔

آدابِ مجلس کے حکم کا اہتمام

چنانچہ اول تو ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب ہے۔ باوجودیکہ قرائن سے تو مومنین ہی مخاطب ہیں اور اکثر قرآن میں مسلمانوں ہی سے خطاب ہوتا ہے پھر اس صریح خطاب سے کیا فائدہ ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس سے مقصود رغبت دلانا ہے(۳) کہ یہ امر ہر چند شعائر دین سے نہیں اس لئے عام طور سے ممکن ہے کہ لوگوں کو اس کا اہتمام نہ ہو، مگر ہمارے مخاطب وہ ہیں جو ہم پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ ضرور اس کو قبول کریں گے۔ اس طرزِ کلام سے اس مضمون کی سامعین کو رغبت دلائی۔

اور دوسرا اہتمام ﴿اِذَا قِیْلَ﴾(۴) بصیغہ مجہول سے ظاہر فرمایا باوجودیکہ واقعہ خاصہ میں اس قول کے قائل خاص حضور اقدس ﷺ ہیں پھر بھی عنوان عدم تعین قائل سے تعبیر(۵) فرمایا: (یعنی ''قِیْلَ'' مجہول کے صیغہ کے ساتھ بیان فرمایا بجائے صیغہ معلوم ''قال بکم''(۶) کے) اور یہ عدول اس وجہ سے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حضور ﷺ کے ارشاد کی تخصیص نہیں اس لئے حکم عام ہے ہر صدر مجلس کے قول کو۔

---

(۱) حکم (۲) تکبر اور انکار (۳) شوق (۴) جب کہا جائے (۵) عنوان میں اس قول کے کہنے والے کو متعین نہیں کیا (۶) ''تم سے کہا'' کے بجائے ''جب کہا جائے'' کا لفظ استعمال کیا۔

تیسرا اہتمام یہ ہے کہ امر کے صیغہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے یعنی ﴿فَانْسَحُوْا﴾ اور ﴿فَانْشُزُوْا﴾ اور ظاہر ہے کہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ (۱) نہ ہو گو واجبات کے درجات مختلف ہوتے ہیں کہیں وجوب بعینہ ہوتا ہے کہیں وجوب لغیرہ (۲) مگر نفس وجوب میں شرکت ضرور ہوتی ہے۔

چوتھا اہتمام یہ ہے کہ ﴿تَفَسَّحُوْا﴾ کا امر اور اس کا ثمرہ جدا بیان فرمایا۔ اور ﴿فَانْشُزُوْا﴾ اور اس کا ثمرہ جدا بیان فرمایا، ورنہ اگر اختصار کے ساتھ مجلس میں حکم صدر کی اتباع کا مشترکاً امر فرما دیتے تو اس درجہ اہتمام نہ ہوتا جیسا کہ جدا جدا بیان کرنے میں ہوا۔

پانچواں اہتمام یہ ہے کہ لفظ ﴿فِی الْمَجٰلِسِ﴾ بصیغہ جمع فرمایا، باوجود یکہ ﴿فِی الْمَجْلِسِ﴾ بھی کافی تھا وہ بھی جنس کی وجہ سے عام ہوتا ہے۔ مگر چونکہ اس میں یہ احتمال باقی تھا کہ اس عام کو خاص پر محمول کرلیا جاتا اور مجلس سے خاص مجلس مراد لے لی جاتی (یعنی حضور ﷺ کی مجلس) اس لئے ﴿فِی الْمَجٰلِسِ﴾ فرما کر اس کا احتمال بھی قطع فرما دیا کہ اب احتمال تخصیص کا ہو ہی نہیں سکتا، لہذا حکم عام ہوگا تخصیص کا احتمال ہی نہیں۔

چھٹا اہتمام یہ ہے کہ جس ثمرہ کو مرتب فرمایا اس کا بڑا ہونا ظاہر فرما دیا کیونکہ مقتضٰی علم بلاغت کا یہ ہے کہ عادۃً چھوٹے ثمرہ کو ذکر نہیں کیا کرتے۔ اور یہاں ثمرہ کا ذکر موجود ہے اور قرآن کا فصیح و بلیغ ہونا مسلّم ہے پس قرآن میں کسی ثمرہ کا ذکر کرنا اس کو مقتضٰی ہے کہ یہ ثمرہ بہت بڑا ہے (۳) اور جب ثمرہ بڑا ہوتا ہے تو عمل کا بڑا ہونا بھی ضروری ہے جس پر اس قدر بڑا ثمرہ مرتب ہوا ہے تو اس سے عمل مذکور کی یعنی توسع اور قیام کی اہمیت وعظمت بھی معلوم ہوئی۔

---

(۱) جب کوئی حکم امر کے صیغہ سے دیا جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جب تک کہ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو یہ بتائے کہ یہاں یہ حکم وجوب کا نہیں بلکہ استحباب کا ہے (۲) کبھی اپنی ذات سے واجب ہوتا ہے کبھی غیر کے لئے (۳) فائدے اور نتیجہ کو ذکر کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

ساتواں اہتمام خاص اہل علم کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ کیا گیا کہ ثمرہ ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ میں ایمان والوں کو اولاً وعموماً اور اہل علم کو ثانیاً وخصوصاً بیان فرمایا، تاکہ اہل علم کی بالتخصیص فضیلت معلوم ہوجاوے۔ پھر اس سب کے خلاف پر وعید ہے۔

﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اس سے اور زیادہ اہتمام بڑھ گیا یعنی اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو حق تعالیٰ اس سے خبردار ہیں اس لئے تمہیں مخالفت سنبھل کر کرنی چاہیئے۔ پس ﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ ظاہراً وعید ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ وعدہ ہو کہ اس عمل کے کرنے پر ثمرہ کا ترتب ضرور ہوگا کیونکہ تمہارے اعمال کی حق تعالیٰ کو خبر ہے اس لئے اس عمل کے کرنے پر ثمرہ کا ترتب فرمادیں، یا اعمال مذکورہ کے معتدبہ ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ ہے یعنی "تفسح فی المجالس"

یہ نشوز مطلقاً معتبر ومعتدبہ نہیں بلکہ اس میں خلوص بھی شرط ہے (۱) یعنی صرف صورتِ عمل پر ثمرہ مذکورہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اخلاص بھی ضروری ہوگا، اور اخلاص امر باطنی ہے اس لئے اپنے خبیر بمعنی "عَالِمٌ بِبَاطِنِ الْاُمُوْرِ" (۲) ہونے پر تنبیہ فرمادی۔

غرض ان سب اہتماموں سے معلوم ہوا کہ یہ عمل نہایت مہتم بالشان ہے یہ تو آیت کا حل اجمالی ہے جس سے میرا مقصود علم وعمل کا اہتمام ثابت کرنا ہے۔

مہتم بالشان عمل

عمل کا اہتمام تو ظاہر ہے کہ ایک معمولی عمل کے لئے یہاں اتنا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ پھر جو عمل ذاتاً بھی عظیم ہو (۳) اس کا اہتمام تو بدرجہ اولی ضروری ہوگا

(۱) مجلس میں فراخی اور اس سے اٹھ جانا ہی کافی نہیں بلکہ خلوص نیت بھی شرط ہے (۲) اللہ سب پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں (۳) جو عمل اپنی ذات ہی میں بڑا ہو تو اس کا اہتمام تو ضرور کرنا چاہیئے۔

اس سے تمام اعمال کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوگیا اور علم کا اہتمام اس طرح ہوا کہ ثمرہ میں اہلِ علم کو تمام مومنین سے جدا بیان کیا اور تخصیص بعد التعمیم اہتمام کو مفید ہوتی ہے۔

شبہ کا ازالہ

اب میں اس مضمون کے بعض اجزاء اور متعلقات کی تفصیل مختصراً عرض کرتا ہوں اور اس سے پہلے ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ آداب مجالس تو ایک معمولی اور چھوٹا سا عمل ہے اس کو اس قدر اہتمام سے کیوں بیان فرمایا کیونکہ یہ کوئی درجہ عقائد سے نہیں، فرائض سے نہیں، ارکان وواجبات سے نہیں اس درجہ کا اہتمام تو ان امور کا ہونا چاہیئے جو ذاتاً بڑے ہوں اور جو عمل ذاتاً بڑا نہ ہو اس کے ایسے اہتمام کی کیا ضرورت ہے؟ اور آداب مجالس کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کے اہتمام کی اس قدر ضرورت ہو۔

یہ شبہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آیا ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں نے اس عمل کو معمولی سمجھ رکھا ہے اور اسی وجہ سے عام طور پر اس کا اہتمام نہیں کرتے تو منشا شبہ کا صرف یہ بات ہے کہ یہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ایک معمولی اور چھوٹا سا عمل ہے اور معمولی شے قابل اہتمام نہیں ہوتی۔ حالانکہ اول تو یہ مقدمہ غلط ہے کہ معمولی اور چھوٹی شئے قابل اہتمام نہیں ہوتی۔ چھوٹا اور معمولی ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ قابلِ اہتمام اور قابل وقعت نہ ہو دیکھو سب سے چھوٹا آسمان سماءِ دنیا ہے(۱) عرش کرسی وغیرہ سے بہت چھوٹا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ سماءِ دنیا کوئی چیز نہیں دنیا یا سماءِ دنیا قابل وقعت نہیں بلکہ باوجود یکہ کہ عرش وغیرہ سے بہت چھوٹا ہے۔ مگر پھر بھی اپنی ذات میں قابل وقعت ہے اسی طرح بہت سی اور چیزوں کے مقابلہ وقعت ضرور ہے عرش وکرسی سے چھوٹا ہوا تو کیا لیکن ٹیلوں کے مقابلہ میں تو بہت بڑا ہے۔

(۱) دنیا کا آسمان یعنی پہلا آسمان دوسرا اس سے بڑا تیسرا اس سے بڑا اور سب سے بڑا عرش وکرسی ہے۔

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود　　لیک بس عالی ست پیش خاک تود(۱)

اور نظیر دیکھو آسمان کے سامنے ستارے کتنے چھوٹے ہیں مگر ان میں بعضے بعضے زمین سے بھی بہت بڑے ہیں تو ستاروں کا چھوٹا ہونا اس کو مقتضی نہیں کہ ستارہ قابل وقعت نہ ہو یہ تو محسوسات میں گفتگو تھی اب اعمال میں دیکھو کہ ارکان بھی آپس میں متفاوت ہیں، مثلاً نماز میں قیام، سجدہ، جلسہ، مختلف ارکان ہیں مگر سب ایک درجہ کے نہیں کیونکہ ان کے فضائل مختلف ہیں اور آپس میں چھوٹے بڑے ہیں کوئی چھوٹا کوئی بڑا کیونکہ صغر و کبر امور اضافیہ میں سے ہے۔ مگر ایک رکن کا دوسرے کے اعتبار سے چھوٹا ہونا اس کو ہرگز مقتضی نہیں کہ وہ رکن قابل وقعت نہیں ورنہ اس کی رکنیت ہی محل کلام ہوجائے گی۔ پس یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ جو چیز کسی سے چھوٹی ہو وہ قابل اہتمام ہی نہ ہو۔ مگر اس غلطی میں آج کل بہت لوگ مبتلا ہیں۔

بعض صوفیاء کی غلط فہمی کا ازالہ

بعض جہلاء صوفیاء نے: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ﴾(۲) کے بعد: ﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ﴾(۳) کو دیکھ کر نماز ہی چھوڑ دی کیونکہ ان لوگوں نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ نماز تو صرف فحشاء اور منکر ہی سے بچاتی ہے اس میں صرف یہ عارضی فضیلت ہے اور ذکر اللہ اپنی ذات میں بڑی چیز ہے تو جو لوگ ذکر اللہ میں مشغول ہوں ان کو نماز کی حاجت نہیں مگر اس شبہ کا منشاء صرف تفسیر کا بدلنا ہے ذرا صحیح تفسیر کیجئے تو یہ شبہ جاتا رہے گا۔

اس کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس آیت میں نماز کی فضیلت بیان فرماتے ہیں

(۱) آسمان عرش و کرسی کے مقابلے میں تو چھوٹا ہے لیکن مٹی کے تودوں سے تو بہت بڑا ہے (۲) نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے (۳) ذکر اللہ بڑی چیز ہے۔

کہ نماز کی پابندی کرو کیونکہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے، اور نماز فحشاء و منکر سے اس لئے روکتی ہے کہ وہ ذکر اللہ پر مشتمل ہے اور ذکر اللہ بڑی چیز ہے اس میں ایسی ہی برکت اور خاصیت ہے اب اس تقریر کے بعد جواب دیجئے سو دراصل: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَر﴾ دلیل ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ کی کہ نماز فحشاء وغیرہ سے اس لئے روکتی ہے کہ وہ مشتمل ہے ذکر اللہ پر اور ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے اس کی یہی خاصیت ہے تو اب بتلاؤ کہ اس تقریر سے نماز کا بڑا ہونا لازم آیا یا چھوٹا ہونا جب نماز بھی بڑی چیز ہے تو وہ قابل ترک کیسے ہوئی؟

چھوٹی چیزوں کی اہمیت

دوسرے ہم کو یہ بھی مسلّم نہیں کہ چھوٹی چیز قابل ترک ہوا کرتی ہے مثال کے طور پر غور کیجئے ہم سوال کرتے ہیں کہ اگر کسی کے دو لڑکے ہوں ایک چھوٹا ایک بڑا، کیا چھوٹے کو قتل کر دیں گے؟ ہرگز نہیں پس یہ قاعدہ مسلّم نہیں کہ چھوٹی چیز قابل ترک ہوا کرتی ہے اور ذکر اللہ نماز سے بڑا بھی ہو تو نماز کو اس کے مقابلہ میں ترک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ وہ ذکر اللہ کو بھی مشتمل ہے۔

یہ تفاوت تو دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ کوئی چیز بڑی ہے کوئی چیز چھوٹی مگر دنیا میں سینکڑوں مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ بڑی شئے کے موجود ہوتے ہوئے بھی چھوٹی شے کی حاجت (۱) رہتی ہے اور چھوٹی شئے قابل ترک (۲) نہیں ہوتی۔ دیکھئے بادشاہ اپنے ماتحتوں اور چھوٹوں کو معزول نہیں کر سکتا اور اگر معزول کر دے تو کام نہیں چل سکتا۔ اور دیکھئے انگلیوں میں آپس میں کس قدر تفاوت ہے مگر سب کی

(۱) ضرورت (۲) چھوٹی چیز چھوڑنے کے قابل نہیں ہوتی۔

حاجت ہے صرف بڑی پر اکتفاء نہیں ہوسکتا چھوٹی کی بھی حاجت ہے بلکہ بڑے کی بڑائی چھوٹے کے وجود پر موقوف ہے اگر چھوٹے نہ ہوتے تو بڑے کا وجود بے قدر تھا اس بناء پر چھوٹے کا وجود بھی مہتم بالشان (۱) ہے چنانچہ بادشاہ کو رعایا کی سخت حاجت ہے بلکہ بادشاہ کی بادشاہی رعایا پر موقوف ہے اگر رعایا نہ ہو تو بادشاہی ہی معرض خطرہ (۲) میں ہوجاوے۔ اس مضمون کو شاعرانہ مضمون نہ خیال کیا جاوے بلکہ یہ بات واقعی ہے اور سچ یہ ہے کہ بڑے اعمال میں نورانیت چھوٹے ہی اعمال سے ہوتی ہے چنانچہ فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے اگر کوئی نوافل ادا نہ کرے اور بالکل ترک کرے اس کا فرض بھی غیر کامل ہوگا۔ گو بمعنی ناقص نہیں بلکہ غیر اکمل ہوگا اور اگر مع نوافل ادا کرے تو وہ فعل اکمل ہوگا تو دیکھئے تکمیل فرائض کی نوافل سے ہوئی تو امثلہ سابقہ میں جیسے چھوٹوں سے بڑوں کی تکمیل دنیا میں ہوتی ہے ایسے ہی آخرت میں بھی نوافل سے تکمیل فرائض کی ہوگی، یعنی فرائض میں جس قدر کمی ہوگی نوافل سے اس کی بھرتی کی جاوے گی اور یہ تکمیل فرائض کی نوافل سے کبھی تو ایک جنس کے اعمال میں ہوتی ہے۔ (یعنی فرائض جس جنس کے ہیں وہ نوافل مکملہ بھی اسی جنس کے ہوں) اور کبھی یہ تکمیل فرائض کی نوافل وغیر جنس سے ہوتی ہے مثلاً نماز سے پہلے آپ کے پاس کوئی شخص آیا جو پراگندہ حال اور بدصورت وغیرہ تھا جس کی تعظیم کو جی نہ چاہتا تھا اٹھنے کو دل گوارہ نہ کرتا تھا مگر آپ نے نفس کی مخالفت کرکے اور نفس کو مجبور کرکے اس کی تعظیم کی اور تواضع اختیار کی پھر اس کے بعد نماز پڑھی تو اس نماز میں اس تواضع کی برکت سے نورانیت بڑھ جاوے گی جس کا اہل باطن کو شب و روز مشاہدہ ہوتا ہے۔

(۱) قابل اہتمام ہے (۲) بادشاہت خطرے میں پڑ جائے۔

اعمال کی نورانیت

راز اس کا یہ ہے کہ اعمال میں سب میں باہم مناسبت ہے(۱) نیک اعمال کو نیک سے اور بد کو بد سے خواہ جنس میں اتحاد ہو یا نہ ہو(۲) تو ہر عمل خیر دوسرے عمل خیر کا مؤید ومقوی(۳) ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کا ایک نوکر اور باورچی ہے آپ نے اس کو آواز دی آپ کے پکارنے سے فوراً حاضر ہوگیا سو ایک تو اس کا حاضر ہونا اس وقت ہے اور ایک اس وقت ہے کہ وہ کسی سے لڑ بیٹھا، اتفاقاً اسی حالت میں آپ نے اسے پکارا تو وہ حاضر تو ضرور ہوگا مگر اس حاضری اور پہلی حاضری میں فرق ضرور ہوگا۔ باوجود یکہ کہ نوکر کی آقا سے لڑائی نہیں ہوئی بلکہ دوسرے شخص سے ہوئی تھی مگر اس عمل منکر کا یہ اثر ہوگا کہ لہجہ کلام میں ادب و نیاز مندی کی وہ شان نہ ہوگی جو پہلے تھی اسی طرح اگر نماز سے پہلے کوئی عمل تواضع کا کیا تو اس کا نماز میں یہ اثر ہوگا کہ نماز میں نورانیت بڑھ جاوے گی اور اگر نماز سے پہلے کسی کے ساتھ تکبر کا معاملہ کیا تھا اگرچہ تکبر جنس صلوٰۃ سے نہیں مگر تکبر کا ظلماتی اثر نماز میں ضرور ہوگا اور نماز سے پیشتر وہ تکبر کرنا مانع نورانیت صلوٰۃ(۴) ضرور ہوگا یہی مطلب اور مقصود ہے اس حدیث کا حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((الحسد تاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب)) ''حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جیسے لکڑی کو آگ''

اگرچہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ باوجود حسد کے بھی حسنات باقی رہتی ہیں مگر معنی یہ ہیں کہ اعمال میں نورانیت نہیں رہتی اسی طرح صوم کے بارے میں

---

(۱) باہم تعلق ہے (۲) خواہ ایک جنس کے ہوں یا نہ ہوں (۳) ایک اچھے عمل سے دوسرے اچھے عمل کی تائید و تقویت ہوتی ہے (۴) نماز کی نورانیت کو روکنے والا ضرور ہوگا۔

ارشاد ہے:((اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد اوقاتله فلیقل انی امرء صائم))(۱)تو اس حدیث میں مقصود یہی ہے کہ عمل صوم میں ان افعال کے ارتکاب سے نوانیت نہیں رہتی گو روزہ باطل (۲)نہیں ہوتا پس ثابت ہوگیا کہ جو اعمال ہم جنس نہیں وہ بھی باہم ایک دوسرے کے مکمل ہیں لہذا چھوٹی شے (۳)کو بے وقعت نہ سمجھنا چاہیئے۔ چھوٹی اشیاء بڑوں کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔

حُسنِ معاشرت

یہ گفتگو تو اس بات کے تسلیم کر لینے پر تھی کہ یہاں اس آیت میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ چھوٹی اور معمولی بات ہے اور دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ تعلیم درحقیقت معمولی نہیں بلکہ بہت بڑی ضروری تعلیم ہے آپ نے اس کی ظاہری صورت پر نظر کی ہے حقیقت پر نظر نہیں کی حقیقت میں یہاں حق تعالیٰ نے ہم کو تواضع کی اور ترک تکبر کی تعلیم دی ہے اور میں عنقریب واضح کروں گا کہ تکبر کتنی سخت چیز ہے مگر افسوس ہے کہ ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں بہرحال اس زمانہ میں عام غلطی ہے کہ جو دیندار بھی ہیں وہ عقائد اور نماز روزہ اور اوضاع لباس (۴)کا تو ضرور اہتمام کرتے ہیں مگر اخلاق و معاشرت اکثر کے نہایت گندے ہیں بعضے آدمی تو اخلاق و معاشرت کی طرح معاملات کو بھی دین سے خارج سمجھتے ہیں مگر خیر

(۱)رواہ البخاری عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ فی حدیث طویل الخ ایضا رواہ البخاری عن ابی ہریرہ قال قا ل رسول اللہ ﷺ ((الصیام جنة فلا یرفث ولا یجهل وان امرؤ قاتله او شاتمه فلیقل انی صائم))"اور جب تم میں سے کسی کا روزہ کا دن ہو پس نہ فحش باتیں کہے اور نہ لڑے (کوئی اور لڑے) تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں"(۲)اگرچہ روزہ نہیں ٹوٹتا(۳) چھوٹی چیز کو (۴)لباس کی وضع قطع۔

متقی لوگوں نے معاملات کا تو خیال کیا مگر معاشرت اخلاق کو تقریباً سب ہی نے بالائے طاق رکھ دیا ہے حالانکہ حسنِ معاشرت کا معاملات سے بھی زیادہ خیال رکھنا لازمی ہے اس وجہ سے کہ معاملات کا اثر تو اکثر مال پر ہوتا ہے اور معاشرت کا اثر قلب پر ہوتا ہے(۱) اور قلب پر جو اثر ہو مال کے اثر سے زیادہ گراں اور موجب صدمہ ہوتا ہے(۲) مثلاً ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کی طرف التفات نہ فرمایا اس کی بات کا جواب نہ دیا اس سے اس کا دل دکھا تو اس اخلال معاشرت(۳) کا اثر اس کے قلب تک پہنچایا، ماں باپ کی نافرمانی کی ان کا دل دکھایا، تو یہ آثارِ موذیہ اخلال معاشرت(۴) سے اور اس کو ضروری نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے پس ثابت ہوا کہ حسنِ معاشرت حسنِ معاملہ سے بھی زیادہ ضروری ہے عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ؎

مباش درپئے آزار ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقت ماغیر ازیں گناہ نیست (۵)

یعنی ''برابر ایں گناہ نیست'' اور اس شعر میں جو ''ہر چہ خواہی کن'' کہا گیا ہے یہ یا تو مبالغہ پر محمول ہے یا اس کو عموم لیا جاوے، یا اس کو خاص کہا جاوے غیر معاصی کے ساتھ اور ''مباش درپئے آزار'' کو تمام معاصی کے لئے عام لے لیا جاوے تو تقریر مقصود کی یہ ہوگی کہ جس طرح اخلاق معاشرت سے دوسروں کو آزار ہوتا ہے اسی طرح جمیع معاصی(۶) سے مثلاً نماز نہ پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ شفقت کے آزار ہوتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے چنانچہ ایک آیت کریمہ سے یہ

(۱) دل پر ہوتا ہے (۲) مال کے اثر سے زیادہ بھاری اور صدمہ کا باعث ہوتا ہے (۳) اس معاشرتی پہلو کا خیال نہ رکھنے کیوجہ سے اس کا دل دکھا (۴) یہ تکلیف دہ اعمال معاشرت میں خلل ڈالتے ہیں (۵) کسی کو تکلیف نہ دو اور جو چاہے کرو (سوائے گناہ کے) کیونکہ طریقت کے راستے میں اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں (۶) تمام گناہوں سے۔

بات صاف ظاہر ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾(۱) ''یعنی شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون قرآنی پر ایمان نہ لائے غم سے اپنی جان دے دیں گے''

حضور ﷺ کی شفقت

یعنی اتنا غم نہ کیجئے کہ قریب بہ ہلاک ہوجائیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو بوجہ شفقت کے مخلوق کی بدحالی پر بے حد رنج ہوتا تھا۔ دیکھئے مدرس کو جب شفقت زیادہ ہوتی ہے اور مقصود مدرس کا یہ ہو کہ کسی صورت سے یہ پڑھنے والے کتاب سمجھ جاویں تو اس کو ان کے نہ سمجھنے سے تکلیف ہوتی ہے اسی لئے وہ تقریر کے بعد سوال کیا کرتا ہے کہ سمجھ بھی گئے اور اس کا منشاء محض شفقت ہے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے بعد تبلیغ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ((الا ھل بلغت الاھل بلغت)) صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ((قلنا نعم)) آپ ﷺ نے فرمایا: ((اللھم اشھد))(۲)(رواہ البخاری)

حضور ﷺ کی شفقت کی یہ شان ہے کہ آپ ﷺ نے تیئیس برس میں اس قدر تبلیغ کی اور اس قدر جانفشانی برداشت کی کہ کوئی نہیں کرسکتا کلیات کی علیحدہ تبلیغ فرمائی اور جزئیات کی علیحدہ پھر جزئیات میں ایک ایک جزئی کی تبلیغ فرمادی یہ تو تبلیغ قولی تھی پھر اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تبلیغ عملی بھی فرمائی یہ سب حضور ﷺ کی شفقت ہے نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کا خلوص بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طلب کامل نہ ہوتی

---

(۱) سورۂ کہف:۶ (۲) آگاہ ہوجاؤ کیا میں نے (دین) پہنچادیا صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے جی ہاں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اور ان میں خلوص نہ ہوتا تو وہ علوم محفوظ نہ رہتے۔ مگر بحمد اللہ آج حضور ﷺ کے تمام علوم محفوظ ہیں، جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس قلیل عرصہ میں اس قدر علوم کیونکر بیان فرمادیئے خصوصاً جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آپ محض تعلیم ہی کے کام کے لئے فارغ نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ انتظام ملکی اور تدابیر غزوات کا کام بھی آپ کو بہت زیادہ کرنا پڑتا تھا۔

حضور ﷺ کا تعلیم معاشرت کا اہتمام

حضور ﷺ کی اس شفقت کا خیال تو کیجئے کہ باوجود اس قدر مشاغل کثیرہ کے آپ نے کس قدر اور کس درجہ ہم کو معاشرت سکھلائی اور کس درجہ آداب مجالس سکھلائے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ہم کو ایک دوسرے کو اذیت دینے سے بچایا ایک دو نمونہ بتلاتا ہوں غور کیجئے! کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی مجمع میں تین آدمی ہوں تو دو آدمی علیحدہ سرگوشی نہ کریں جب تک کہ چوتھا آدمی نہ ہو دیکھئے آداب مجالس کی کس قدر رعایت فرمائی سلف صالحین کا معمول تھا کہ جب کسی مجلس میں چوتھا آدمی نہ ہوتا اور دوسرے آدمی سے تنہائی میں بات کرنی منظور ہوتی تو چوتھے آدمی کے آنے کا انتظار کرتے تاکہ وہ اس سے ہمکلام رہے اور اس کو توحش نہ ہو نہ تفرد ہو اس خیال سے کہ مجھ سے ہی اخفاء راز تو مقصود ہے اور دیکھئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ گر پڑے تو اس وقت یہ خلاف ادب ہے کہ اس کو چھوڑ دے بلکہ ((ان یُّمِیطَ ما بِهَا مِنَ الْاَذی)) ''اس کو صاف کر کے کھالے''

دیکھئے کیسے چھوٹے چھوٹے اور دقیق دقیق امور پر آپ کی نظر تھی کسی بات کو چھوڑا نہیں اس تعلیم میں آپ ﷺ نے کھانے کا کس قدر ادب تعلیم فرمایا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

عملی تعلیم اور اس کا اثر

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ایک مرتبہ مجھے سفر کا اتفاق ہوا ریل میں ایک صاحب رئیس ہمراہ تھے انہوں نے کھانا جو کھایا اتفاق سے ایک بوٹی گر پڑی انہوں نے جوتا سے تختہ کے نیچے سرکا دی چونکہ میں قولاً ان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا اس لئے میں نے عملاً حکم شرعی بتلانا چاہا تا کہ انہیں معلوم ہوجائے اس لئے میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس بوٹی کو دھوکر مجھے دے دو میں کھاؤں گا انہوں نے کہا اگر میں کھالوں؟ میں نے کہا یہ آپ کی ہمت ہے، چنانچہ انہوں نے کھالی، میرے اس طرزِ عمل کا ان پر بے حد اثر پڑا۔ اور دوسروں سے کہنے لگے کہ واقعی میری سمجھ میں آ گیا اگر دس برس تک بھی اس کے متعلق نصیحت کی جاتی تو دل میں نہ گھستی اور اس طریق سے ایک مرتبہ کا عمل عمر بھر کے لئے کارگر ہوگیا صوفیاء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ امر بالمعروف نہیں کرتے (۱) حالانکہ یہ اعتراض بالکل لغو (۲) ہے ان کے برابر کوئی بھی امر بالمعروف نہیں کرسکتا، وہ تو امر بالمعروف ایسا کرتے ہیں کہ اپنے اوپر جھیلتے ہیں یعنی وہ قولاً امر بالمعروف کم کرتے ہیں زیادہ تر عملی تعلیم کرتے ہیں (۳) کیونکہ عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔

ہماری بدحالی

اسی طرح حضور ﷺ نے بہت چھوٹے چھوٹے اعمال کا اہتمام کیا اور کوئی امر چھوڑا نہیں بلکہ ہر حکم کو عملاً دکھلا دیا تا کہ سامع پر زیادہ اثر ہو تو اس قدر اہتمام محض شفقت پر مبنی ہے مگر ہماری ایسی بُری حالت ہے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ ہوکر ہمیں

(۱) نیک کام کرنے کا حکم نہیں دیتے (۲) بیکار (۳) وہ کہتے کم ہیں زیادہ تر کر کے دکھاتے ہیں۔

دیکھیں تو ہمیں حضور ﷺ کی امت میں خیال کرنا ان کو دشوار ہوجائے ہماری حالت تو اس قدر نکمی اور ردی ہوچکی ہے کہ قابل بیان نہیں نہ ہمارے عقائد کامل ہیں نہ اعمال وعبادات ، نہ معاملات، نہ معاشرت ، نہ اخلاق، نہ اقوال واحوال، غرض ہر چیز ناقص اور کمزور ہے اور عوام نے تو ادب خداوندی تک کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ حتی کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرنا شروع کردی چنانچہ امسال(۱) بارش بکثرت ہونے کے باعث ایک صاحب نے کسی گاؤں والے سے کہا کہ بھائی توبہ واستغفار کرو کہ ہمارے گناہوں کی شامت ہے جو اس قدر بارش ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں تو اناج ہے جس کے گھر میں اناج نہ ہو تو وہ توبہ کرے، افسوس آج کل یہ مسلمان ہیں۔

حضور ﷺ کے سامنے اعمال کی پیشی

اگر حضور ﷺ کے سامنے ہمارے یہ اعمال پیش ہوں تو حضور ﷺ کو کس قدر اذیت ہو اور اگر کیا معنی بلکہ یقیناً پیش ہوتے ہیں کیونکہ حدیث میں تصریح ہے کہ اعمال امت کے حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ہائے پھر آپ کو ہماری اس بدحالی پر کتنا رنج ہوتا ہوگا پس

ع مباش درپئے آزار ہر چہ خواہی کن

اگر مبالغہ پر بھی محمول نہ کیا جائے تب بھی یہ کلام درست ہے اور اس سے کسی گناہ کی اجازت مفہوم نہیں ہوسکتی کیونکہ گناہوں سے اگر اور کسی کو بھی ایذاء نہ ہو تو حضور ﷺ کو ایذاء ہوتی ہے اور حضور ﷺ سے زیادہ مسلمانوں کے لئے کون ہے جس کا خوش کرنا مطلوب ہو اس پر مجھے مرزا بے دل کی ایک حکایت یاد آگئی۔

(۱) اس سال زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے۔

آج کل کا تصوف

مرزا بے دل کا کلام صوفیاء کے طرز پر ہوتا تھا ایک ایرانی ان کا کلام دیکھ کر اور بزرگ سمجھ کر ان سے ملنے کے لئے دہلی آیا یہ اس وقت داڑھی ترشوار ہے تھے(۱)۔ اس شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا ''آغاریش می تراشی'' (۲) انہوں نے متعارف صوفیانہ جواب دیا کیونکہ تصوف تو بڑی سستی چیز ہوگئی ہے بس ایک دو نکتے یاد کر لئے اور صوفی بن گئے آج کل تصوف محض نکتوں کا نام رہ گیا ہے گو وہ نکتے جاہلانہ ہی ہوں جیسے ایک صاحب نے ﴿وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی﴾ کا ترجمہ کیا تھا ''اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے'' ہمارے ماموں صاحب سے کسی صوفی جاہل نے دریافت کیا تھا کہ بتا رزق بڑا ہے یا محمد ﷺ؟ ماموں صاحب نے کہا کہ اول تو اس کی کوئی جزئی تعلیم نہیں دی گئی مگر پھر بھی قواعد کلیہ سے حضور ﷺ ہی کا رتبہ بڑا معلوم ہوتا ہے، کہنے لگا تو بے پیرا (۳) معلوم ہوتا ہے دیکھ۔ ''اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ '' میں پہلے اَنْ (رزق) کا نام آیا ہے پیچھے حضور ﷺ کا معلوم ہوا کہ اَن بڑا ہے کیا واہیات ہے بھلا کلمہ کے اندر حرف مشبہ فعل ہے یا ہندی کا اَنْ ہے۔

اسی طرح مولوی فیض الحسن صاحب سے کسی فقیر نے دریافت کیا کہ بتلا چار میم کون سے ہیں ظاہر ہے کہ مولوی صاحب اس مہمل سوال کا کیا جواب دیتے تو وہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ دیکھ مکہ، مدینہ، مولا، محمد۔ کانپور میں ایک صوفی صاحب آئے کہنے لگے بتلاؤ آسمان پر کیا چیز نہیں زمین پر کیا چیز نہیں قرآن میں کیا چیز نہیں پھر خود ہی بولے آسمان پر قبر نہیں زمین پر ستارے اور قرآن میں جھوٹ نہیں یہ تصوف رہ گیا ہے آج کل۔

سو مرزا بے دل نے بھی ایسا ہی ایک نکتہ ہنکا کہ ''بلیٰ ریش می تراشم ولے دل کسے نمی تراشم'' (۴)

(۱) داڑھی کٹا رہے تھے (۲) اے بھائی کیا داڑھی کٹا رہے ہو؟ (۳) جس کا کوئی پیر و مرشد نہ ہو (۴) ہاں داڑھی ضرور کٹا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا۔

یعنی ؎

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن

یہی میرا عمل ہے (۱) ایرانی سچا طالب تھا اس نے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ مرزا بے دل ہونٹ چاٹتے رہ گئے ایرانی نے کہا ''بلیٰ دل رسول اللہ می خراشی'' (۲) یہ سن کر تو مرزا بے دل کی آنکھیں کھل گئی اور ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور بزبان حال یہ شعر پڑھنے لگے ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کر دی (۳)

حقوق العباد کی اہمیت

اب وہ شبہ جاتا رہا کہ نماز روزہ کے چھوڑنے میں کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی۔ اس لئے نماز روزہ کے ترک میں مضائقہ نہیں صاحبو! اس سے تو اس ذات کو تکلیف پہنچتی ہے جس سے بھڑ کر مسلمان کو کوئی چیز بھی محبوب نہیں غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ معاملات سے زیادہ معاشرت کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ معاملات کی اصلاح میں تو زیادہ لوگوں کے مال کی حفاظت ہے اور حسنِ معاشرت میں مسلمانوں کے قلب کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ مال سے دل کا رتبہ بڑھا ہوا ہے اور نیز معاشرت کی اصلاح میں علاوہ قلوب کے لوگوں کی آبرو کی بھی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ آبرو کی حفاظت بعد ایمان کے ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے۔ عرفاً بھی

---

(۱) کسی کو تکلیف نہ دو اور جو چاہے کرو یہ میرا عمل ہے (۲) ہاں کیوں نہیں تم تو رسول اللہ کا دل دکھا رہے ہو (۳) اللہ تمہیں جزائے خیر دے کہ تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں تمہارے اس قول نے مجھے میرے جان جان (حضور ﷺ) سے آشنا کر دیا۔

شریف آدمی مال بلکہ جان سے بھی زیادہ آبرو سمجھتا ہے۔ چنانچہ جان بچانے کے لئے تو شریف آدمی مال کو خرچ کرتا ہے اور آبرو بچانے کے لئے تو شریف آدمی جان و مال دونوں کو قربان کر دیتا ہے اور حدیث حقوق میں بھی تینوں کی حفاظت مامور بہ ہے(۱) حضور ﷺ فرماتے ہیں ((فَاِنَّ دَمَاءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُم وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُم حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هذا فِی شَهْرِ کُمْ هَذا فِی بَلَدِکُمْ هذَا)) حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہ ارشاد فرمایا کہ ''خون یعنی جان اور مال اور آبرو باہم ایک دوسرے پہ قیامت تک ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج کے محترم دن میں محترم مہینے میں اور محترم بلد میں حرام ہیں''۔

پس مسلمانوں کے مال کی بھی حفاظت کرو جان کی بھی حفاظت کرو آبرو کی بھی حفاظت کرو اس لئے کہ حقوق العباد میں یہ سب داخل ہیں صرف مالی حقوق کا نام حقوق العباد نہیں اور یہ معاشرت بعض حیثیات سے نماز، روزہ، وغیرہ سے بھی قابل اہتمام ہے کیونکہ عبادات کے اخلال سے صرف اپنا ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر(۲)، اسی لئے حضور ﷺ نے معاشرت کا بہت اہتمام فرمایا ہے ایک ایک کر کے تمام فرمادی چنانچہ ارشاد ہے: ((اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ)) ''کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آوے اس کی تعظیم کرو'' تذلیل نہ کرو خصومت (۳) نہ کرو حضور ﷺ کے اصحاب پڑوسی یہودی تک کو ہدیہ دیا کرتے تھے اور بیماری میں اس کی عیادت کرتے۔

---

(۱) تینوں کو حفاظت کا حکم دیا گیا ہے (۲) کیونکہ عبادت میں خلل پڑنے سے اپنا ہی نقصان ہے اور معاشرت میں خلل سے دوسروں کا بھی نقصان ہے (۳) ذلیل نہ کرو جھگڑا نہ کرو۔

حضور ﷺ کا حلم

اسی طرح ایک یہودی کا قرضہ حضور ﷺ پر تھا اس نے مسجد میں آکر مانگا اس وقت آپ کے پاس موجود نہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا پھر لے لینا یہودی نے کہا میں تو لے کر جاؤں گا۔ اللہ اکبر! کس درجہ حسن معاشرت تھی کہ رعیت کا ادنی آدمی بھی جو چاہے کہے اور آپ باوجود ہر طرح اختیار و قدرت کے انتقام نہیں لیتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کچھ کہنا بھی چاہا حضور ﷺ نے روک دیا اور فرمایا: ((ان لصاحب الحق مقالا)) کہ ''صاحب حق کو تقاضے کا حق ہے'' چنانچہ وہ بیٹھا رہا اور رات کو حضور ﷺ کو گھر بھی نہ جانے دیا تو آپ مسجد میں ہی رہے صبح کی نماز پڑھی یہ حال دیکھ کر بعد نماز اس یہودی نے کہا میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ نبی آخرالزمان کی یہ صفات ہیں میں نے اور تو سب صفات دیکھ لیں مگر صرف صفت حلم کا امتحان باقی تھا سو آج اس کا بھی امتحان ہوگیا واقعی آپ سچے نبی ہیں ((اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله))

مسلمان ہوگیا صاحبو! حضور ﷺ نے جب غیر مسلم کی اس قدر رعایت کی ہے تو مسلم کی تو کس درجہ رعایت فرماتے ہوں گے۔

جانوروں کے حقوق

پھر غیر مسلم تو آدمی ہے حضور ﷺ نے جانوروں پر بھی رحم کا حکم فرمایا ہے اور ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں چنانچہ حکم ہے کہ جانوروں کو زیادہ نہ مارو بھوکا نہ رکھو تحمل سے زیادہ کام نہ لو زیادہ بوجھ نہ لادو، مجھے یاد آیا کہ ایک صاحب نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ جانوروں کے حقوق میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تو واقعی

اس وقت تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی اور ضرورت تھی اس لئے میں نے ''ارشاد الھائم فی حقوق البھائم'' کتاب لکھی ہے جانور رکھنے والوں کو اس کتاب کے رکھنے کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں جانوروں کے کس درجہ کے حقوق ہیں حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو چھوڑتی تھی نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی پھر حضور ﷺ نے دوزخ میں اس کا عذاب دیا جانا دیکھا، دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ معذب ہوئی ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان کا تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمربستہ ہیں جائیداد دبانے کو تیار ہیں بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ واقارب کے ساتھ زیادہ خراب ہے حالانکہ ہم جانوروں تک پر بھی رحم کرنے کے لئے مامور ہیں (۱) یاد رکھنا چاہیئے کہ ان افعال پر ضرور ہم سے سوال ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ شریعت نے معاشرت کے بارے میں بھی بہت زیادہ اہتمام کیا ہے اسلام بڑی چیز ہے اسلام نے ہمیں تمام ضروری امور سکھلائے ہیں تاکہ اسلام پر بالکل دھبہ نہ رہے کہ اس میں فلاں بات کی کمی ہے فلاں پہلو کی رعایت نہیں سو بحمد للہ اسلام کامل مکمل شریعت ہے اور کیوں نہ ہو خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور حق تعالیٰ تو ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں اور شفیق اپنے علم میں کسی ضروری بات کو نہیں چھوڑتا اس لئے حق تعالیٰ نے کسی ضروری بات کو اسلام میں نہیں چھوڑا اور حق تعالیٰ کا علم کامل ہے اس لئے واقع میں بھی کوئی ضروری بات نہیں رہی بلکہ ادنی سے ادنی بات کی بھی تعلیم رسول ﷺ کے واسطہ سے کردی ہے۔

(۱) ہمیں جانوروں تک پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شفقت پر گرانی

گو ہم کو بعض پابندیاں گراں ہوتی ہیں مگر شفقت کا یہی مقتضٰی ہے کہ باوجود گرانی مخاطب کے پھر بھی اس کو نفع پہنچایا جائے چنانچہ میرا ہی واقعہ ہے کہ بچپن میں مجھے کنکوے(۱) کا شوق تھا جہاں چھٹی ملی کنکوا لیکر باہر چل دیا اور سر پر بال بھی رکھے ہوئے تھے اتفاق سے میرے بالوں میں جوئیں پڑ گئیں میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا اپنی تائی صاحبہ کی پرورش میں تھا ان کو شفقت و محبت زیادہ تھی انہوں نے کئی بار سر دھونے کے لئے مجھے کہا مگر میں حسب معمول کنکوا لیکر چل دیتا ایک روز انہوں نے پہلے ہی سے کھلی گھول کر(۲) رکھ لی تھی میرے آتے ہی موقع پا کر سر میں لپیٹ دی (۳) بس اب میں مجبور ہوگیا بدون دھلوائے (۴) کہاں جاسکتا تھا دیکھئے اس وقت ان کا یہ فعل ناگوار تھا مجھ کو خبر ہی نہ تھی کہ میرے لئے کیا مفید ہے مریض کو کیا خبر کہ میرے لئے کیا نافع ہے مگر ان کی یہ عنایت اور شفقت تھی کہ مجھے مجبور کر کے راحت پہنچاتی رہیں یہی برتاؤ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہے کہ ہم بعض دفعہ احکام سے تنگ ہوتے ہیں مگر حق تعالیٰ مجبور کرتے ہیں کہ تم کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

شفقت کا ایک اور واقعہ یاد آیا ایک شخص ہمارے یہاں آنکھ بناتے تھے ایک شخص آنکھ بنوانے آیا انہوں نے کام شروع کیا تو وہ تکلیف کے خوف سے ان کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا مگر وہ ہنس رہے تھے اور آنکھ بنا رہے تھے اگر شفقت نہ ہوتی تو بیچ ہی میں کام چھوڑ دیتے مگر انہوں نے مریض کی ناگواری پر اصلاً (۵) نظر نہیں کی بلکہ غایت شفقت سے نشتر لگاتے رہے ہمارے یہاں کے ایک رئیس نے جو اُس وقت

(۱) پتنگ بازی (۲) کھل سے سر دھونے کا رواج تھا اس لئے سر دھونے کے لئے کھل بھگو رکھی تھی (۳) سر میں لگادی (۴) بغیر دھلوائے (۵) مریض کی ناگواری کا بالکل خیال نہیں کیا۔

موجود تھے ان سے کہا بھی کہ دیکھئے یہ کیا بکتا ہے مگر انہوں نے جواب دیا کہ تھوڑی دیر میں دیکھنا جب نظر آنے لگے گا تو کیسی دعائیں دیتا ہے۔ اسی طرح حق جل شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم پر عمل کرنے کا نتیجہ آخرت میں ہم پر روشن وظاہر ہوجائے گا۔ گو اس وقت ہم کو گرانی ہوتی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (۱)

غرض حضور ﷺ نے عقائد و اعمال، معاملات، معاشرت تمام امور ہم کو سکھلائے تاکہ ہم اپنی اصلاح کرلیں۔

اسلام پر اعتراض کی وجہ

مگر اب ہماری حالت ایسی خراب ہے کہ دیگر اقوام کے لوگ ہماری حالت دیکھ کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اہلِ اسلام کے کارناموں کو دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر لوگ اسلام سے منحرف (۲) ہوجاتے ہیں چنانچہ مدراس کا قصہ سنا ہے کہ ایک انگریز اسلام کی خوبیاں دیکھ کر مسلمان ہوگیا تھا اتفاقاً مسجد میں آیا تو مسجد میں دیکھا کہ نالی میں تھوک وغیرہ بہت پڑا ہے اور مسجد بھی صاف نہیں اس نے صفائی کی نسبت لوگوں سے کہا تو سب لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ یہ تو ابھی تک عیسائی ہے کہ صفائی صفائی پکار رہا ہے اور اس کو مسجد سے نکال دیا بعض ذی فہم (۳) مسلمانوں کو اطلاع ہوئی انہوں نے ان صاحب سے معذرت کی یہ لوگ ناواقف تھے آپ کچھ خیال نہ کریں اس نومسلم نے جواب دیا کہ میں اسلام کے محاسن اور کارنامے دیکھ کر

(۱) ''اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹادیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے'' سورۂ قٓ:۲۲ (۲) اسلام سے پھرتے جاتے ہیں (۳) سمجھدار۔

مسلمان ہوا ہوں میں جانتا ہوں کہ محمد صاحب ﷺ صفائی کا بہت اہتمام فرماتے تھے صاحبو! صفائی تو دراصل ہمارے ہاں کی چیز ہے۔ جو آجکل عیسائیوں نے لے لی ہے اور مسلمانوں نے ایسی چھوڑ دی ہے کہ اگر کوئی صفائی برتے تو عیسائی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

اسلام میں صفائی اور پاکیزگی کا اہتمام

صفائی کے بارے میں حدیث ہے: ((ان اللّٰہ نظیف یحب النظافة))(۱) اور دوسری حدیث میں ہے: ((نظفوا افنیتکم))(۲) اسلام کے برابر تو طہارت ونظافت کسی مذہب میں بھی نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ استری اور کلف کا اہتمام کرو اور ہر وقت بنے ٹھنے رہو کیونکہ اس کا نام نظافت نہیں بلکہ یہ تصنع اور تکلف ہے اور تن آرائی ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے: ((البذاذة من الایمان)) کہ ''سادگی ایمان کا جزو ہے'' بذاذت کے معنی میلا کچیلا رہنے کے نہیں بلکہ سادگی سے رہنے کے ہیں پس نظافت اور طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ کپڑے اور بدن کو پاک صاف رکھو اور میلا ہو جائے تو دھو ڈالو صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور پاک بن جاؤ شریعت اسلامیہ میں طہارت کی تو بہت زیادہ تاکید ہے کہ بدون طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور گو بدون نظافت (۳) کے ہو جاتی ہے مگر بدہیئت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ بھی حکم ہے کہ جس شخص کے کپڑوں میں سے پسینہ کی سخت بدبو آرہی ہو اس کو جماعت میں شریک ہونا مکروہ و ممنوع ہے مگر آج کل ہماری وہ حالت ہے

(۱) اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں (۲) اپنے گھر کے باہر کے حصوں کو صاف رکھو (۳) بغیر صاف کئے میلے کچیلے کپڑوں میں نماز ہو تو جاتی ہے لیکن مکروہ ہے۔

کہ مولانا نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک کافر لڑکی اسلام کی طرف راغب تھی اتفاق سے اس کے گھر کے قریب مسجد میں ایک مؤذن بد آواز آ گیا اس نے جو اذان دی تو لڑکی نے باپ سے دریافت کیا کہ ابا یہ کیا ہو رہا ہے باپ نے جواب دیا بیٹی تو جس مذہب کی طرف راغب ہے یہ اس کی اذان ہے لڑکی کا یہ سن کر اسلام سے دل پھر گیا تو اس کا باپ اس خوشی میں کچھ ہدیہ لے کر اس موذن صاحب کے پاس آیا کہ اس شخص کے سبب مجھ کو یہ خوشی نصیب ہوئی موذن صاحب سمجھے یہ مجھ سے بہت راضی اور خوش ہے اس لئے ہدیہ لایا ہے مگر جب وہ واقعہ معلوم ہوا تب حقیقت حال منکشف ہوئی۔

یہی ہماری حالت آج کل ہے کہ ہم کو دیکھ کر کفار اسلام سے ہٹنے لگے ہیں حالانکہ فی نفسہ اسلام کی یہ حالت ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست (۱)

حقانیتِ اسلام

صاحبو! مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ چوری ہوگئی تھی، آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس سے مطالبہ کیا، اس نے نہ دی، اور کہا کہ یہ تو میری ہے، آپ باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے مگر اس کو لیکر مدعی بن کر حضرت شریح (قاضی) کے ہاں پہنچے، قاضی صاحب نے گواہوں کو طلب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ اور ایک آزاد شدہ غلام کو گواہی میں پیش کیا۔

(۱) سر سے پیر تک اس کا پورا سراپا اتنا خوبصورت ہے کہ جہاں بھی نظر پڑی ہے دل وجان قربان کرنے کو دل چاہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ولد عادل کی گواہی باپ کے موافق جائز تھی (۱) مگر قاضی شریح کے نزدیک جائز نہ تھی، اس لئے قاضی صاحب نے صاحبزادے کی گواہی رد کردی۔ اللہ اکبر! ایک بادشاہ وقت کی چیز چوری ہوجائے اور بادشاہ اس کو پہچان لے، اور ایک ادنی آدمی رعیت کا جو کہ مسلمان بھی نہ ہو بے تکلف اپنی ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنے ہی ماتحت قاضی کے یہاں محاکمہ (۲) کے لئے جاوے اور صاحبزادہ کو گواہی میں پیش کرے جو کہ اہلِ جنت کے سردار ہیں اور قاضی صاحب ان کی گواہی قبول نہ کریں اور زرہ یہودی کو دلوادیں اور خلیفہ اس کو قبول کرلیں۔ آخر یہ حقانیت ان کو بجز تعلیم الاسلام کے کس نے دی ہے؟ پس اسلام یقیناً حق ہے، یہودی یہ حالت دیکھ کر فوراً مسلمان ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوگیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔

اصلاحِ اخلاق

مسلمانوں کے یہ اخلاق تھے، مگر اب ہمارے اخلاق دیکھ کر مسلمانوں کو بھی دین سے نفرت ہوجاتی ہے۔ غرض ہمیں نماز روزہ کا تو خیال ہے مگر اخلاق کا بالکل خیال نہیں، ظاہر میں اخلاق چھوٹی چیز ہے مگر واقع میں بہت بڑی چیز ہے، کیونکہ تمام اعمال کی جڑ اخلاق ہی ہے، حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک درجہ منشاء کا ہوتا ہے اور ایک ناشی کا۔ یعنی ایک تو افعال ہوتے ہیں اور ایک ملکات، اور ملکات اصل ہیں افعال فرع، ملکات ہی سے اعمال ناشی (۳) ہوتے ہیں جس میں جیسے اخلاق ہوتے ہیں ویسے ہی اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی پر ظلم کیا یا سخت کلامی کی کہ اس کا منشاء تکبر ہے، اگر آپ میں تکبر نہ ہوتا تو یہ عمل سرزد نہ

(۱) نیک بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں معتبر تھی (۲) فیصلہ کرانے جائے (۳) ملکات ہی سے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔

ہوتا اور یقیناً ظلم بُری چیز ہے اور اس کی اصلاح واجب ہے، تو پھر تکبر کی اصلاح کیوں نہ واجب ہوگی جو کہ ظلم کا منشاء ہے اور جس کی اصلاح کے بغیر ظلم کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی، مگر ہماری غلطی یہ ہے کہ افعال پر تو ہم کو نظر ہے ملکات پر نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ملکات کی اصلاح نفس کو گوارہ ہے، اعمال اس درجہ گراں نہیں، اس لئے اخلاق کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ ہم کو اس کی ضرورت ہی کا احساس نہیں، اگر ان کو ضروری سمجھتے تو پھر گرانی کا خیال ہرگز نہ کرتے، جیسے پھل توڑنے میں کانٹوں کا لگنا ناگوار نہیں ہوتا چونکہ پھل توڑنا ضروری چیز ہے، اس لئے کانٹوں کا خیال نہ کیا جاوے گا۔ اسی طرح اگر اخلاق کی ضرورت کا احساس ہوجاوے تو پھر اس کی اصلاح میں کتنی ہی مشقت ہو سب گوارا ہو جائے گی۔ اس لئے اعمال سے پہلے ان کی جڑ یعنی اخلاق کی اصلاح کرو۔

اخلاق اور تکبر کا اثر

سو ایک فرق تو اعمال میں منشاء اور ناشی ہونے کا ہے، اور ایک فرق یہ ہے کہ ترک اخلاق کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص سے عام نفرت ہوجاتی ہے برخلاف نماز روزہ کے کہ اس کے تارک سے نفرت نہیں ہوتی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ صاحب! متکبروں سے نفرت کہاں ہے ان کی تو تعظیم کی جاتی ہے سو یاد رکھو کہ لوگ متکبر کی تعظیم خوف کی وجہ سے کرتے ہیں محبت سے نہیں کرتے۔ اور وہ تعظیم ایسی ہے جیسے اس مجلس میں اگر بھیڑیا آجائے اور اس کی وجہ سے آدمی کھڑے ہوجاویں تو آپ خود انصاف کرلیں کہ یہ کھڑا ہونا کیسا ہوگا، کیا تعظیم کے لئے ہوگا یا وحشت کے سبب ہوگا، اسی طرح متکبر کی تعظیم کو سمجھو، کہ دل سے نہیں بلکہ اس پر چونکہ قدرت نہیں اس لئے صورۃً اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔ چنانچہ ظالم اگر معزول ہوکر کسی مقدمہ میں

گرفتار ہوکر جیل خانہ میں چلا جائے تب دیکھیں اس کی کیسی تعظیم ہوتی ہے۔ جبکہ وہاں تو قدرت اور موقع ملنے کی وجہ سے ہر شخص بدلہ لینے پر تیار ہوجاتا ہے اور اس کے مقابل ایک اللہ والا ہے اگر اس پر اتفاقاً صورۃً تکلیف بھی ہوجائے تو اس کی تکلیف کا سب آدمی تذکرہ کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں اور حتی الوسع اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ایک بزرگ زمانہ غدر میں ماخوذ ہوکر (۱) جیل خانہ میں لے جائے جارہے تھے، اتفاق سے نماز کا وقت آگیا، ان بزرگ نے پولیس کے افسر سے جو کہ ہندو سکھ تھا، اجازت چاہی، دراروغہ نے کانسٹیبلوں سے کہا کہ بھائی انہیں چھوڑ دو اور بیڑیاں کھول دو یہ ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہیں یقین ہے کہ یہ دھوکا نہ دیں گے۔

صاحبو! یہ اثر ہے اللہ والوں کے اخلاق کا اور تکبر کا یہ اثر ہے کہ اس کے مرتکب سے نفرت ہوتی ہے، تو جس کے یہ آثار ہوں آپ ہی انصاف کیجئے کہ وہ چھوٹی چیز کیسے ہوسکتی ہے اور اخروی اثر یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ متکبر جنت میں نہ جائے گا۔ اب اس حدیث کے جو بھی معنی ہوں مگر ہر اعتبار سے یہ تھوڑی وعید ہے؟

جاہل طبیب کی مثال

سو اگر اب بھی تکبر چھوٹی اور خفیف شئے ہے تو اس کی وہی مثال ہوگی جیسے ایک طبیب نہ واقف نے کسی کو مسہل دیا تھا، اس سے دست آنے شروع ہوئے۔ طبیب صاحب سے ظاہر کیا گیا دست بکثرت آرہے ہیں فرمایا آنے دو مادہ خارج ہورہا ہے (۲)، چند بار اسی صورت سے شکایت کی گئی مگر طبیب نے ہر بار وہی کہا کہ آنے دو مادہ نکل رہا ہے۔ غرض اس قدر دست آئے کہ مریض مرگیا، اعزہ نے پھر اطلاع کی کہ صاحب! وہ تو مرگیا فرمانے لگے اللہ اکبر کس درجہ مادہ سخت تھا کہ خروج

(۱) پکڑ کر (۲) جسم کے اندر جو گند ہے جس کی وجہ سے بیمار ہے وہ باہر نکل رہا ہے۔

کے بعد بھی ماردیا اگر یہ مادہ باقی رہتا تو نہ معلوم کیا حالت ہوتی۔(۱) جاہل! ارے اس سے زیادہ اور کیا ہوتا سو جس طرح دستوں کا آنا اس جاہل کے لئے معمولی اور خفیف بات تھی، اسی طرح اگر تکبر بھی جس کا انجام دوزخ میں جانا ہے خفیف اور معمولی بات ہے جناب ہی فرمادیں کہ اس سے بڑی بات اور کیا ہے، اس سخت مرض کے علاج میں جو میں خاص اہتمام کرتا ہوں اس کی بدولت بدنام ہوں کہ بہت تیز مزاج ہے، اس کے یہاں ذرا ذرا سی بات پر گرفت ہوتی ہے اور بعض لوگ اس تیزی کو جو کہ تکبر کا علاج ہے تکبر پر محمول کرتے ہیں، مگر میں دعویٰ سے نہیں کہتا خدا کی نعمت بیان کرتا ہوں کہ الحمدللہ میرے اندر تکبر نہیں ہے، مگر لوگوں کو تکبر کی حقیقت کا علم نہیں، اس لئے بدگمانی ہے۔

عجب کا علاج

طبیب شفقت کی بناپر لوگوں کے امراض کا اظہار کرے اور مریض اسے سختی سمجھیں، تو آپ ہی بتلایئے کہ علاج کی کیا سبیل (۲) ہوسکتی ہے اور امراضِ باطنہ کا علاج کس صورت میں ہوسکتا ہے، افسوس اصلاح کے متعلق ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے، کہ اس معاملہ میں طبیب روحانی کی ذرا سی تدبیر کو بھی سختی سمجھتے ہیں، اور سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ تکبر وعجب وغیرہ کی اصلاح میں مریدوں سے بڑے بڑے مجاہدے کراتے تھے اور سختی نہیں سمجھی جاتی تھی۔

چنانچہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک مرید نے ایک دفعہ آکر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت فلاں مرید نے شراب پی رکھی ہے اور شراب کے

(۱) کہنے لگا اللہ اکبر کتنا گند تھا کہ اتنا نکلنے کے بعد بھی مرگیا اگر نہ نکلتا تو کیا ہوتا (۲) علاج کا کیا طریقہ ہوگا۔

نشہ میں شراب خانہ کے دروازے پر پڑا ہے حضرت نے نے فرمایا کہ تم شراب خانہ سے اس کو اٹھا کر لاؤ، شیخ کا حکم تھا ہر چند کہ نفس پر ثقیل اور شاق (۱) گزرا مگر مجبوراً شراب خانہ کی طرف چلے اور اس کو کمر پر لاد کر واپس ہوئے۔ لوگوں نے دیکھ کر دونوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا کہ میاں دونوں شرابی ہیں۔ مگر ایک پر نشہ کا اثر ہوگیا ہے اور دوسرے پر ابھی نہیں ہوا۔ افسوس یہ مقطع صورت اور تصوف کا دعوی (۲) اور یہ افعال استغفراللہ یہ صاحب سمجھ گئے کہ میں نے جو حضرت سے اس شخص کی شکایت کی تھی اور اپنے کو اس شرابی سے اچھا سمجھا تھا اس لئے حضرت نے میرے نفس کو سزادی ہے کہ مجھے بھی ساتھ میں بدنام کرایا، تو پہلے بزرگ ان طریقوں سے تکبر وعجب کی اصلاح کرتے تھے، کیونکہ جب تک یہ خناس (۳) دماغ سے نہیں نکلتا، اسوقت تک وصول میسر نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک مرید آیا اور ثمرات کے عدم ترتب کی شکایت (۴) کی، شیخ نے جب طریق تزکیہ بدل کر دیکھا کہ کس طریق سے نفع مرتب نہیں ہوتا تو سمجھ گئے کہ اس کے اندر عجب وکبر کا مرض ہے، وہی نفع سے مانع ہے تو شیخ نے ایک ٹوکرا اخروٹ کا بھرا ہوا دے کر کہا کہ فلاں محلّہ میں جہاں ان کے معتقدین زیادہ تھے جا بیٹھو اور اعلان کردو کہ ایک دَھول کے بدلے ایک اخروٹ لے جاؤ۔ (۵) اسی طرح یہ ٹوکرا ختم کردو یہ حالت تھی معالجہ کی،

---

(۱) ہر چند کہ ناگوار ہوا اور یہ کام کرنا مشکل معلوم ہوا لیکن شیخ کے حکم سے کیا (۲) افسوس یہ متکبرانہ وضع قطع اور پھر تصوف کا دعویٰ (۳) جب تک یہ بڑائی دماغ سے نہ نکلے گی اس وقت تک منزل ومقصد حاصل نہیں کرسکتا (۴) یہ شکایت کی کہ عبادت ومجاہدہ کرنے پر بھی وہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جو ہونا چاہیئے (۵) ایک تھپڑ مارو اور ایک اخروٹ لے لو۔

مگر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ذرا سی بھی سختی ہوتی ہے تو ناگوار ہوتی ہے کہ ہم پر یہ سختی کیوں ہوتی ہے۔ لا الہ الا اللہ کی طلب کا دعوی اور بات بات پر ناگواری۔

صاحبو! طلب کا نام بھی کیوں بدنام کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہر زخمے تو پر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
تو بیک زخمے گریزنی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق (۱)

طالب کا تو یہ مذاق ہوتا ہے کہ فرماتے ہیں ؎

نا خوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من
پس زبوں وسوسہ باشی دلا گر ہوس راباز داری از بلا

جاہلوں کا افعال خداوندی پر اعتراض

ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سے شیخ کی سختیاں تو کیا برداشت ہوتیں اور ہم شیخ کے تو کیا ہوتے بعضے تو اللہ کے بھی نہیں، چنانچہ ایک شخص نے روزہ رکھا تھا، اتفاق سے اس دن اس کی بھینس مرگئی تو کم بخت نے فوراً منہ سے لوٹا لگا کر پانی پی لیا اور روزہ توڑ کر آسمان کی طرف منہ کر کے خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ لے روزہ رکھوالے نعوذ باللہ! خدا کے ساتھ یہ معاملہ، اور اس شخص پر تعجب نہ کرنا ایسے لوگ آج کل بھی بکثرت ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ جاہل زبان سے بھی کہہ دیتا ہے اور مہذب زبان سے تو نہیں کہتا مگر دل میں حق تعالیٰ کے افعال پر اعتراض وہ بھی کرتا ہے پھر ایسے لوگوں کے ساتھ معالجین اگر اس قسم کے معاملات میں ظاہری سختی کرتے ہیں تو بدنام ہوتے ہیں کہ بداخلاق ہیں۔

---

(۱) ایک ہلکے سے زخم لگنے سے تجھے ناگواری ہوتی ہے بغیر رگڑا کھائے تیرا دل آئینہ کی طرح کیسے صاف ہوگا تو ایک ہی زخم لگنے پر میدان عشق سے گریز کرنے لگا ہے تو صرف نام کرنا چاہتا تجھے عشق سے کوئی واسطہ نہیں۔

تکبر کفر کا بھی باپ ہے

اصل یہ ہے کہ اہل حقیقت منشاء کو دیکھتے ہیں مثلاً تکبر کو کفر کا باپ سمجھتے ہیں، کیونکہ کفار کو خوب معلوم تھا اور حضور ﷺ کی نبوت خوب پہچانتے تھے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۱) ﴿ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾ (۲) اور ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ (۳)

مگر باوجود پہچاننے کے اتباع سے عار کرتے تھے تو ان کے کفر کا منشاء یہی تکبر تھا کیا اب بھی کسی کو شبہ ہے اخلاق کے مہتم بالشان ہونے میں، کیا آجکل ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو کہ باوجود جاننے کے حکم الٰہی سے عار کرتے ہیں تو کیا ان کا علاج نہ کیا جاوے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ معمولی چیز نہیں اکثر گناہوں کی جڑ یہی ہے حتی کہ کفر بھی اکثر تکبر ہی سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح اکثر معاصی (۴) بھی چنانچہ بہت لوگ بے دھڑک داڑھی منڈواتے اور ترشواتے ہیں اور جب نصیحت کی جاتی ہے تو نہایت بے باکی سے کہتے ہیں کہ میاں تمام عمر تو اس حالت میں رہے اب کیا توبہ کریں گے اور یہ شعر زبان زد (۵) ہوتا ہے ؎

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

---

(۱) ''وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بعضے اُن میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں اخفاء کرتے ہیں'' سورۂ بقرہ: ۱۴۶ (۲) ''یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے اُن کے منکر ہیں'' سورۂ مؤمنون: ۶۹ (۳) ''اور ظلم اور تکبر کی راہ سے اُن کے منکر ہوگئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا'' سورۂ نمل: ۱۴ (۴) گناہ (۵) اور یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔

بھائی تم آخری ہی وقت میں توبہ کرلو خدا تعالیٰ معاف کردیں گے مگر قلب کو ایسا مسخ کردیتے ہے کہ آخری وقت میں بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں کفار حضور ﷺ کا پیغمبر ہونا جانتے تھے مگر تکبر کی وجہ قلوب مسخ ہورہے تھے جیسا ابھی قریب بیان ہوا۔

تکبر کی نشانیاں

بعض اہلِ سیر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے مسلمان ہونا چاہا تھا مگر کچھ تو اس کا تکبر اور کچھ ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے روکا۔ کیونکہ ہامان بھی متکبر تھا۔ غرض یہ تکبر جڑ ہے نہ معلوم کہاں جا کر دھکا دے گا، چنانچہ مجلس میں کسی کو جگہ نہ دینا اور کسی کے کہنے سے نہ اٹھنا اسی طرح گرا ہوا کھانا نہ اٹھانا اور جھکنے سے عار کرنا اور کھانا جھک کر نہ کھانا جیسا کہ آجکل میز کرسیوں پر کھانا کھایا جاتا ہے کہ جھکنے سے عار آتی ہے مسجد میں نہ جانا۔ ان سب کا سبب بھی تکبر ہے ایک صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے مگر کوٹ پتلون بوٹ جوتا زیب تن تھا آکر فرش سے باہر کھڑے ہوگئے وہ اس کے منتظر رہے کہ میں اٹھ کر ان کے پاس آکر ان سے گفتگو کروں۔ دیکھئے یہ کونسی تہذیب ہے کہ جاویں تو خود ملنے کے لئے اور اس کے منتظر رہیں کہ یہ خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے یہ بھی اسی تکبر کی فرع تھی (۱)، پھر لطف یہ کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے مواقع میں ان کے لئے نہ اٹھے تو بددماغ کہلائے اور ان خردماغوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

ایک اور صاحب میرے پاس مدرسہ میں تشریف لائے جن کا تمام جسم متصل واحد (۲) تھا لکڑی کی طرح بندشوں میں کھینچا ہوا تھا وہ تھوڑی دیر تو کھڑے

(۱) یہ بھی اس تکبر ہی کی ایک قسم تھی (۲) بہت چست کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ بیٹھنا بھی مشکل تھا۔

رہے شاید کرسی کے منتظر ہوں گے مگر وہاں کرسی کہاں آخر مجبور ہو کر بیٹھنا چاہا تو دھم سے زمین پر گر پڑے اور اٹھنا اور بھی دشوار ہوا اس فرعونی وضع کا جس میں کوئی راحت بھی نہیں سبب یہی تکبر ہی ہے کہ جہاں جائیں وہاں ان کے لئے کرسی منگائی جائے تاکہ ہر وقت بالکل فرعون کہلاتے رہیں۔ جھکنے کی بھی توفیق نہ ہوحتی کہ کھانے کے وقت بھی جھکنا نہ پڑے اسی واسطے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ اپنی ذات مقدس کے باب میں فرماتے ہیں کہ میں تو غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں میں، اس کے متعلق آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ اگر جارج پنجم آپ کو ایک امرود دے کر اپنے سامنے کھانے کا حکم دیں تو میں دریافت کرتا ہوں کہ اس کے تناول کے لئے آپ میز کرسی اور کانٹے چھری کے منتظر ہوں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر جارج کے اس دیئے ہوئے امرود کی ایک قاش آپ کے ہاتھ سے گر جاوے تو کیا اس کو زمین ہی پر پڑا رہنے دیں گے اور بوٹ جوتا سے آگے سرکا دیں گے یا فوراً اٹھا کر کھالیں گے؟ شاید صاف بھی نہ کریں بتلایئے اس وقت کس طرح عملدرآمد کریں گے؟ یقینی امر ہے کہ آپ فوراً اٹھا کر کھالیں گے تو یہاں بھی اس طرح سے عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی عظمت جارج پنجم سے کم ہے کہ ان کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ اتنا بھی معاملہ نہیں کرتے اور ایک سوال اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر آپ کو جارج پنجم اپنے سامنے اس امرود کے کھانے کا امر کریں جیسا اوپر مذکور ہوا تو بتلائیں آپ اس کو رغبت کی صورت سے کھاویں گے یا بلا رغبت کھاویں گے (۱) بالکل ظاہر ہے کہ غایت درجہ کی رغبت کا اظہار کر کے کھائیں گے اور رغبت اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اس کو اور جلدی جلدی اور عجلت کے ساتھ کھائیں گے (۲)۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

(۱) شوق سے کھائیں گے یا بے اعتنائی سے (۲) شوق اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے جلدی جلدی تیزی سے کھائیں گے۔

((کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا کل اکلا ذریعا))(۱)

اگر کوئی جاہل کہے کہ یہ عجلت متانت کے خلاف ہے تو ہو مگر عشق کے خلاف تو نہیں حضور ﷺ کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ تھا اس لئے ایسی صورت سے کھاتے تھے کہ بے رغبتی کی صورت ظاہر نہ ہو حاصل یہ کہ بڑے کے مشاہدہ کے وقت تکبر نہیں رہتا اس لئے ایسے افعال ہی پیدا نہیں ہوتے جو تکبر پر دال ہوں چاہے کھانا کھانے میں ہو یا مجلس میں جگہ دینے میں، بعض آدمیوں میں تکبر ایسا نمایاں ہوتا ہے کہ ذرا سی بات بھی کسی کی نہیں سن سکتے، چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں نو بالغ تھا نابالغ نہیں (۴) اور مجھے نماز پڑھانے کا اتفاق ہوا تو داہنی طرف آدمی کم تھے۔ میں نے ایک صاحب سے مخاطب ہوکر کہا کہ داہنی طرف آدمی کم ہیں آپ اس طرف آجائیں تو وہ صاحب بائیں طرف اخیر میں کھڑے تھے اسی طرح کھڑے رہے میں نے ان کے پاس والے سے کہا کہ بھائی ان کی تو شان گھٹتی ہے تم ہی اس طرف آجاؤ یہ سن کر وہ بے حد غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کبھی بھی اس مسجد میں نہ آویں گے ہماری بے حرمتی ہوتی ہے۔ (اس وقت میرا بچپن کا زمانہ تھا اور بچپنے میں تیزی ہوتی ہی ہے اس لئے یہ تیز جملہ منہ سے نکل گیا اب اس وقت تو ایسی بات کبھی نہ کہوں) میں نے کہا مسجد بھی آپ کی محتاج نہیں، چنانچہ وہ حضرت فوراً جوتے اٹھا کر چلتے ہوئے، تو بعضے لوگوں کی یہاں تک حالت ہے کہ غصہ تو مجھ پر اور انکار و تکبر مسجد میں آنے سے اور بعضے دعا میں تکبر کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے یہاں کا واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک لڑکا ہے بہت نیک نماز روزہ کا پابند، مگر اس کے اقارب کو شریعت کی طرف توجہ نہیں، چنانچہ ایک مرتبہ اس کا چچا کہتا ہے، کہ یہ لڑکا جو نماز پڑھ پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا ہے،

(۱) حضور ﷺ کھانا رغبت سے جلدی جلدی کھاتے تھے (۲) نیا نیا بالغ ہوا تھا نابالغ نہیں تھا۔

اس کے گھر میں کیا گھاٹا ہے جو خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ نعوذ باللہ عجب بات ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تو جگہ جگہ عبادت کا امر فرمادیں اور ہم لوگ عبادت کرنے سے جس میں دعا بھی بڑی فرد ہے عار اور تکبر کریں۔ غرض یہ تکبر بڑا مرض ہے جو ہمارے اندر گھسا ہوا ہے۔

تکبر کا علاج

اب اس آیت میں اس کا علاج بھی کیا گیا ہے اور اسکی بھی اصلاح کی گئی ہے اب تو آپ کا وہ شبہ زائل ہوگیا کہ یہ مضمون تو معمولی ہے، نہ ارکان میں سے ہے نہ فرائض میں سے پھر اس کا اتنا اہتمام کیوں کیا گیا ہے۔ پس اب تو واضح ہوگیا کہ ﴿اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ﴾ (۱) میں ایک بڑی ضروری تعلیم ہے لیکن بعد تامل معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاص اہتمام سے تکبر کا علاج کیا گیا ہے جو منشاء ہے آداب مجالس پر عمل نہ کرنے کا اور بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کرنے کا پھر جب اصل اور جڑ خرابی کی جاتی رہے گی یعنی تکبر کا علاج ہوجائے گا اور اس کے علاج سے گناہ متروک (۲) ہوجائیں گے تو اب اعمال کے کرنے سے ارتفاع موانع کے سبب ان کا اصلی ثمرہ ضرور مترتب ہوگا (۳) یہ حقیقت ہے اس تعلیم کی اس کو معمولی نہ سمجھو اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ صدر مجلس کے کہنے پر عمل کرنے کو ازالہ تکبر میں کیا دخل ہے (۴) ہم نے تو ایک بار ایسا کیا مگر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو ایک بار عمل کرنا بھی بیکار نہیں مگر ایک بار میں معتد بہ کا اثر (۵) ظہور نہیں ہوتا، لیکن اگر بار بار اس پر عمل کریں گے تو خود ہی اثر

(۱) جب تم سے کہا جائے مجالس میں فراخی کرو (۲) گناہ چھوٹ جائیں گے (۳) رکاوٹوں کے دور ہوجانے کی وجہ سے اس پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا (۴) تکبر کے زائل ہونے میں کیا دخل ہے (۵) قابل شمار اثر کا ظہور۔

معلوم ہوجائے گا۔ دیکھو ایک جگہ پانی کا قطرہ ٹپکتا ہے تو اس وقت تو اس سے کچھ اثر محسوس نہیں ہوتا لیکن اگر اس طرح ٹپکتا رہے تو دس برس میں اس پانی کے قطرہ ہی سے غار (۱) ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ اس اثر میں جس طرح مجموعہ من حیث المجموع کو دخل ہے اسی طرح ہر قطرہ کا بھی دخل ہے (۲) اسی طرح ہر عمل شرعی پر ایک مرتبہ بھی عمل کرنا ضرور تصفیہ باطن (۳) میں اثر رکھتا ہے گو کمال اثر کی علت تامہ نہ سہی (۴) اس کے لئے ضرورت ہے تکرار دوام کی۔

یہاں تک ایک جزو کا بیان تمام ہوگیا جو آداب مجالس کے بارے میں ہے اس جزو کے واسطے رسالہ'' آداب المعاشرت'' کا مطالعہ کافی نافع ہے (۵)، اب میں بقیہ اجزاء کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آرام کا مدار

یہ تمہید میں مذکور ہے کہ آیت میں دو عمل اور دو ثمرے بیان کئے گئے ہیں۔ عمل اول فسح فی المجالس اور اس کا ثمرہ ﴿یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ﴾ (۶) اور یہ عمل مع ثمرہ کے بیان ہو چکا۔

اور عمل ثانی ﴿انشزوا﴾ (۷) جس پر ثمرہ رفع درجات کو مرتب فرمایا اور ﴿انشـــزوا﴾ کا امتثال چونکہ واقع میں تفسح فی المجالس سے ارفع (۸) ہے کیونکہ اس میں انقیاد کا زیادہ اظہار ہے جو نفس کو زیادہ شاق ہے اس لئے اس پر ثمرہ بھی ارفع یعنی رفع درجات کا مرتب فرمایا۔ (۹)

---

(۱) گڑھا پڑ جائے گا (۲) جس طرح ان سینکڑوں قطروں کے گرنے کو دخل ہے اسی طرح پہلے قطرے کے گرنے کو بھی دخل (۳) باطن کی صفائی (۴) اگرچہ مکمل اثر کی وہی وجہ نہ ہو (۵) مفید ہے (۶) مجلس میں کشادگی کرنے کے عمل پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم پر کشادگی کریں گے (۷) دوسرا عمل یہ تھا کہ جب مجلس سے اٹھنے کو کہا جائے اٹھ جاؤ تو اس پر یہ نتیجہ مرتب کیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند فرمائیں گے (۸) مجلس سے اٹھ جانے کے حکم کو ماننا مجلس میں کشادگی کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے (۹) کیونکہ اس میں تابع داری کا زیادہ اظہار ہے اس لئے اس پر فائدہ زیادہ مرتب ہوتا ہے۔

غالباً یہ امر بیان سے رہ گیا کہ ﴿ فَافْسَحُوْا ﴾ اور ﴿فَانْشُزُوْا﴾ عام ہے خواہ جوارح سے ہو یا قلب سے یعنی جس وقت مجلس میں تفسح کا حکم ہو کشادگی کردے اور جب مجلس سے اٹھایا جائے اٹھ جائے اور جب تک اس حکم کی نوبت نہ آوے تو اس کے لئے دل سے آمادہ رہے اس آمادگی سے قلب میں زیادہ وسعت ہوگی اصلاح اخلاق کے لئے کیونکہ حالت قلب کی زیادہ قابل اعتبار ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صورت رفعت بود افلاک را معنی رفعت رواں پاک را

اور حکیم سنائی فرماتے ہیں ؎

آسمانہا ست در ولایت جاں کار فرمائے آسمان جہاں
در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست

صوفیائے کرام نے روح ہی کا زیادہ اعتبار کیا ہے اور یہ احکام حسیہ میں بھی ہے دیکھئے ایک شخص تو دو آنے یومیہ کا مزدور ہے اور ایک شخص رئیس ہے مگر اس پر پھانسی کا مقدمہ ہوگیا اس وقت اگر پوچھا جائے کہ ان دونوں میں سے کون آرام سے ہے تو کوئی نہ کہے گا کہ یہ غنی اس مزدور سے زیادہ آرام سے ہے بلکہ وہ غنی تمنا کرے گا کہ کاش! یہ مزدور میں ہوتا تو اچھا ہوتا، اب سوال یہ ہے کہ اس آرام کا مدار روح پر ہے یا کہ جسم پر، اگر جسم کی راحت کو راحت کہیں تو غنی سے مفلس کسی حال میں اچھا نہ ہوتا پس یقیناً یہی امر منقح ہوا کہ(۱) آرام اور راحت روح کی معتبر ہے نہ کہ جسم کی اس حکمت کے لئے حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ اور ﴿ فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ ظاہر و باطن سب کے لئے شامل رکھا گیا۔

(۱) یہی بات واضح ہوگئی کہ۔

عوام اور علماء کے اعمال میں فرق

اب اس مضمون کے بعد: ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا بیان کرتا ہوں کہ یہاں پر حکم رفع درجات اولاً عام مومنین کے لئے ثابت فرمایا پھر تخصیصًا اہل علم کے لئے اس کا حکم کیا اور صرف ﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ﴾ پر اکتفاء نہیں فرمایا گو وہ اہل علم کو بھی شامل ہو جاتا، سو ایسا کرنے سے مقصود اہل علم کی فضیلت کا ثابت کرنا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایک عمل عوام کا ہے کہ بوجہ بہت حقائق نہ جاننے کے وہ اس عمل کے پورے حقوق ادا نہیں کر سکتے اور ایک عمل اہل علم کا ہے وہ اس کے زیادہ حقوق ادا کر سکتے ہیں، پس اس عارض کی وجہ سے ان دونوں کے اعمال میں ضرور فرق ہوا، اور اہل علم کا عمل قوی اور کامل ہوا تو اہل علم کو جدا کر کے بیان کیا اور ظاہر ہے کہ اہل علم اور عوام میں جو یہ فرق ہوا اس کا مدار بجز علم کے اور کوئی شئے نہیں۔ لہذا علم ہی ایسی چیز ہوئی اس سے اہل علم کو فضیلت ہوئی، پھر جب علم مقبول و محبوب ہوا، تو اہل علم بھی ضرور محبوب اور مقبول ہوں گے اور قاعدہ ہے کہ محبوب کو غیر محبوب سے زیادہ دیتے ہیں، اس لئے اہل علم کو زیادہ اجر ملے گا۔

اہلِ علم کی فضیلت کی وجہ ان کا تکمیل عمل ہے

اب میں اس راز کو بھی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ایک ثمرہ تو نفس عمل پر مرتب ہوتا ہے اور ایک اس کی خصوصیت پر، مثلاً دو شخصوں سے ایک مضمون لکھوایئے، ایک تو محض مضمون لکھ دے، اور ایک منشی ذی فہم ہو کہ اس کو سمجھے بھی اور خوشنویسی سے زیب و زینت کے ساتھ لکھے بھی، ظاہر ہے کہ جو ثمرہ لکھائی کا اس منشی کو ملے گا وہ ہر گز پہلے شخص کو نہیں ملے گا، تو یہ زیادتی نفس عمل پر نہیں ہوئی بلکہ اس کے تحسین و

تکمیل پر ہوئی، اس پر حکایت یاد آئی کہ ایک معمار تھا وہ تعمیر کرتے ہوئے نقش و نگار اور نزاکت و صفائی ستھرائی میں مستغرق تھا۔ اس پر ہمارے ماموں صاحب نے کہا کہ میاں کیوں وقت ضائع کر رہے ہو؟ پس چنائی کردو، وہ معمار بولا منشی جی جب آپ لکھتے ہیں اس حالت پر قیاس کرلیں کہ اس وقت آپ کیسے مرکز اور باریک اور موٹے خطوط کے تناسب اور ہر حرف کی اور ہر شدومد کی مقدار کا اہتمام کرتے ہیں۔ آخر آپ اس میں کیوں وقت صائع کرتے ہیں، نفس کتابت پر کیوں نہیں اکتفا کرتے۔ ماموں صاحب لاجواب ہوگئے۔ تو جب محسوسات میں یہ بات ظاہر ہے کہ تکمیل کے بعد جو قدر ہوتی ہے وہ قبل تکمیل نہیں ہوتی، اور تکمیل ہوتی ہے اس کے فن دان (۱) سے۔ کیونکہ بدون فن دانی (۲) کے کام کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

عارف کی نماز کی فضیلت

پس تکمیل موقوف ہوئی علم پر اور جب کسی عمل میں تکمیل ہوگی تو وہ عمل افضل ہوگا اور اس عمل کے ثمرات بھی افضل ہوں گے۔ پس اسی وجہ سے اہل علم کے عمل پر ثمرات بھی عوام کے ثمرات سے زیادہ مرتب ہوں گے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی نماز غیر عارف کی لاکھ نمازوں سے افضل ہے اس پر کہ تکمیل موقوف ہے علم پر۔

اتباعِ سنت کا فائدہ

مجھے ایک حکایت یاد آئی، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے قصداً اہتمام کرکے نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر مراقب ہوئے عالم امثال کی طرف اس کی صورت دیکھنے کے لئے متوجہ

(۱) فن جاننے والے سے (۲) بغیر فن سے واقف ہوئے کام کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

ہوئے تو دیکھا کہ نہایت حسین جمیل صورت ہے جو سر سے پیر تک زیوروں میں لدی ہوئی تھی مگر آنکھوں سے اندھی ہے۔ یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ حضرت نے معاً سنتے ہی فرمایا، کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی ہوگی۔ عرض کیا جی ہاں، حضرت نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اندھی نظر پڑی، حضرت کا فہم عجیب وغریب تھا، فرمانے لگے کہ آنکھ کا بند کرنا خطرات سے بچنے کے لئے گو جائز ہے، لیکن زیادہ اچھا ہے کہ آنکھیں کھلی رہیں، گو لاکھوں خطرات آتے رہیں، کیونکہ نماز میں آنکھیں کشادہ رہنا موافق سنت کے ہے اور بند کرنا خلاف سنت ہے، یہ فرق ہے عارف اور غیر عارف میں، اور یہی وجہ ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے، اب تو معلوم ہوگیا کہ یہ وجہ ہے علم کی رفعت کی۔

علم کی فضیلت کی ایک اور وجہ

دوسری ایک وجہ یہ ہے کہ اعمال کا ثمرہ علم ہی کی وجہ سے ملتا ہے کیونکہ وہ موقوف ہیں علم پر تو جو موقوف پر ثمرہ ملتا ہے وہ بلحاظ موقوف علیہ کے ملتا ہے، کیونکہ اس کے بدون موقوف کا وجود ہی نہیں ہوسکتا۔ پس عمل کا اجر ہی موقوف پر ہوا۔ پس عقلاً بھی علم کی فضیلت ثابت ہوگئی اور اسی سے علماء کے لئے زیادت اجر کا ملنا عقلاً معلوم ہوگیا۔

شریعت اور سائنس

اب میں نوتعلیم یافتہ جماعت کی ایک غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شریعت میں جو علم کی فضیلت وارد ہے اس میں علم سائنس وعلم ومعاشیات وغیرہ

داخل نہیں بلکہ علوم احکام مراد ہیں جو قرآن و حدیث و فقہ میں منحصر ہے، بعض احادیث ونصوص میں جو علم کا لفظ مطلق وارد ہوا ہے تو اس مطلق سے یہ مقید ہی مراد ہے، اس سے ایسا عموم سمجھنا جس میں سائنس وغیرہ سب داخل ہوجائیں ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ تعلیم حاصل کرو، اس کا مطلب بیان کیا جائے کہ پاخانہ کمانا بھی سیکھو، ہر چند کہ پاخانہ اٹھانا بھی واقعہ میں تعلیم کا ایک شعبہ ہے مگر عرفاً تعلیم حاصل کرنے سے ہرگز ہرگز کوئی شخص یہ نہ سمجھے گا کہ پاخانہ اٹھانے کی بھی تعلیم مراد ہے، پس اسی طرح قرآن وحدیث میں جو علم کی فضیلت مذکور ہوئی ہے۔ اس علم میں سائنس وغیرہ ہرگز داخل نہیں، بلکہ یہ علم بمقابلہ علم احکام کے جہل ہے(۱)۔ دیکھئے قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے یہود کے متعلق اول تو ﴿لَقَدْ عَلِمُوْا﴾ فرمایا اس سے انکا اہل علم ہونا ظاہر فرمایا ہے اور اس کے بعد ﴿لَوْ كَانُوْ يَعْلَمُوْنَ﴾ فرمایا انہی سے علم کی نفی فرماتے ہیں، تو یہاں نفی علم سے مراد علم مع العمل کی نفی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت میں جہاں علم کی فضیلت کا ذکر ہے وہاں علم سے وہ مراد ہے جس کو عمل میں بھی دخل ہو، بلکہ اس کے ساتھ عمل موجود بھی ہو، پس بتلایئے کہ سائنس کو عمل شرعی میں کیا دخل ہے، جو اس کو اطلاق شرع میں داخل کیا جائے۔

علم سے مراد علم دین ہے علم دنیا نہیں

اس دعویٰ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے((ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم))(۲) پس اس سے روز روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہوگیا کہ شریعت میں علم سے مراد علم دینار اور درہم نہیں

(۱) علم احکام کے مقابلے میں سائنس وغیرہ کا علم جہل ہی ہے (۲) انبیاء علیہم السلام درہم و دینار کے وارث نہیں ہوتے بلکہ علم کے وارث ہوتے ہیں۔

حالانکہ حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو علوم ذرائع کسب بھی عطا فرمائے تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کو علم سے تعبیر فرمایا اور نہ ان میں وراثت جاری ہوئی، کہ جو کسب ایک نبی کو عطا فرمایا تھا وہ وراثت ان کی اولاد در اولاد چلی ہو، جب یہ امر منقح اور طے ہو گیا کہ علم سے مراد ایسے ذرائع وطرق کسب بھی نہیں جو بعض انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے گئے تھے جیسا داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھلایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنا دیا گیا۔ ﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ ''در کف داؤد آہن موم کرد''(۱)

اور اس قسم کے کسب انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام نجار تھے(۲)۔ نیز انبیاء کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا۔ مگر ان سب امور میں سے انبیاء علیہم السلام کسی ایسے امر کے لئے مبعوث نہیں ہوئے اور نہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت بجز علم شرعی کے کسی اور چیز میں جاری ہوئی۔ سو جب یہ مفید علوم بھی نصوص فضیلت میں داخل نہیں تو پھر سائنس اور جغرافیہ جو طرق کسب میں سے بھی نہیں علم انبیاء علیہم السلام میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں علم سے مراد علم نبوت ہے نہ کہ علم کسب اور نہ علم طبعیات وغیرہ۔ الغرض اس ذی فضیلت علم سے دین کا علم مراد ہے اور اہل علم کی فضیلت اسی علم کی وجہ سے ہے۔

حال وقال

اب ان فضائل کے بعد چونکہ یہاں علماء کے ناز کا موقع تھا کہ ہم اہل علم ہیں اور ہمارا عمل عوام سے بڑھا ہوا ہے تو ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ای "علیم بواطن الامور" یعنی خدا تعالیٰ کو عمل کے ساتھ

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا (۲) بڑھئی تھے۔

باطن کی بھی خبر ہے۔ وہ سب کے باطن کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ کس میں اخلاص ہے کس میں نہیں محض علم پر ناز نہ کرنا کیونکہ یہ علم تو شیطان اور بلعم باعور کو بھی حاصل تھا۔ شیطان بقول مشہور معلم ملائکہ بھی تھا اور بلعم باعور اپنی قوم کا واعظ بھی تھا۔ اور دونوں شخص علم کے ساتھ عمل ظاہر کے بھی جامع تھے، بڑے عابد اور جفاکش مجاہدہ کرنے والے تھے، مگر ان کے باطن میں اخلاص اور خدا تعالیٰ کی محبت و معرفت پوری نہ تھی اس لئے یہ علم و عمل سب بے کار ہوگیا۔ پس عمل کے ساتھ بھی سب بے کار ہوگیا۔ عمل کے ساتھ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوئی جس کا نام حال باطنی ہے۔ بدون حال کے علم و عمل قابل اعتبار نہیں اور یہ حال کتب بینی سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ کسی صاحب حال کی جوتیاں سیدھی کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ غرض اس جگہ آیت میں باختلاف وجوہ دلالت تین چیزیں مذکور ہوئیں۔

اصلاحِ باطن کی ضرورت

علم و عمل و حال اور ان تینوں کی تحصیل ضروری ٹھہری اور محض علم و عمل حاصل ہوگیا۔ مگر حال نہ ہو تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ جیسا قریب ہی مذکور ہوا۔ یعنی خدا باطن کو بھی دیکھتے ہیں۔ نرے ظاہری علم و عمل کو نہیں دیکھتے، عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ما بروں رانگریم وقال را ما دروں رانگریم وحال را (۱)

اور فرماتے ہیں ؎

ناظر قلبیم اگر خاشع بود گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود (۲)

حق سبحانہ تعالیٰ زیادہ دل کو دیکھتے ہیں، ہم لوگ ظاہر میں پارسا اور مقدس

(۱) میں تمہاری ظاہری حالت اور باتوں کو نہیں دیکھتا میں تو تمہارے باطن اور تمہارے حال کو دیکھتا ہوں (۲) وہ میرے دل کو دیکھنے والا ہے کہ اس میں عاجزی وانکساری ہے کہ نہیں اگرچہ میرے الفاظ میں عاجزی کے کلمات نہ ہوں۔

بنے ہوئے ہیں مگر باطن میں یہ حالت ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل واندروں قہر خدائے عزو جل
ازبروں طعنہ زنی بربایزید وز درونت ننگ میدارد یزید(۱)

اورمحض علم کے ناکافی ہونے کوایک دوسرے حکیم بیان فرماتے ہیں ؎

علم رسمی سر بسر قیل ست وقال نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال (۲)

یعنی اگراس پراکتفا کیا تو سوائے قیل وقال کے کچھ نہیں۔ محض اس سے حال حاصل نہیں ہوتا، اگراس کے بعد کسی صاحب حال کو لپٹ جائے، تو پھر یہ علم رسمی بہت کارآمد ہے، جاہل صوفی سے عالم صوفی افضل ہوتا ہے۔

علمِ حقیقی

علمِ حقیقی کو بتلاتے ہیں ؎

علم چہ بود آنکہ راہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بزدایدت
ایں ہوسہا از سرت بیروں کند خوف وخشیت دردلت افزوں کند
تو ندانی جز بجوز ولا بجوز خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز(۳)

اسی مضمون پر مولانا نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی کو دریا کا سفر پیش آیا، علم نحو سے زیادہ دلچسپی تھی، جاہلوں کو حقیر سمجھتے تھے، جب کشتی میں

(۱) میری ظاہری حالت کافر کی قبر کی طرح مزین ہے جس کے اندر اس پر اللہ کا قہر نازل ہورہا ہے اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ پر اعتراض کرتے ہوں میرے باطن کا حال یہ ہے کہ اس پر یزید بھی شرمندہ ہوجائے (۲) ایسا رسمی علم جس سے کوئی کیفیت اور حالت تبدیل نہ ہو صرف قیل وقال کے درجہ میں ہوتا ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں (۳) ایسا علم کس کام کا جو راہ نہ دکھائے جس سے دل کا زنگ دور نہ ہو۔ یہ صرف ہوس ہے اس کو اپنے دل سے باہر کر اللہ کا خوف اور اسکی خشیت اپنے دل میں پیدا کرو۔ تو صرف جائز و ناجائز کے علاہ کچھ نہیں جانتا مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ تو کنواری ہے یا بڑھیا ہے یا بڑھا۔

بیٹھے، مطمئن ہو کر ملاح سے دریافت فرماتے ہیں، کہ میاں تم نے نحو بھی پڑھی ہے اس نے کہا نہیں صاحب میں نے نحو نہیں پڑھی فرمانے لگے کہ تم نے آدھی عمر یونہی کھوئی، وہ بے چارہ یہ سن کر غمزدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اتفاق سے کشتی بھنور میں پڑ گئی، اب اس ملاح کا موقع آیا، دریافت کیا کہ مولوی صاحب آپ نے تیرنا بھی سیکھا ہے، فرمانے لگے نہیں، تو ملاح نے جواب دیا کہ جناب نے اپنی ساری عمر کھوئی، کیونکہ یہ کشتی اس بھنور میں ڈوبتی ہے ۔

محوی باید بہ نحو اینجا بداں گر رو محوی بے خطر در آب راں

افسوس کہ ہم نے قال ہی پر کفایت کی حال نہ حاصل کیا۔ صاحبو! اگر ہم مرنے لگیں تو کیا یہی جی چاہے گا کہ اس قال پر خاتمہ ہو جائے، جس پر ہم اس وقت ہیں ہرگز نہیں، مگر پھر بھی یہ حالت ہے کہ اگر آجکل کسی کے میر زاہد (۱) اور حدیث کے اسباق میں تعارض ہو جاوے تو حدیث کے سبق چھوڑ دیں گے مگر میر زاہد نہ چھوٹے گا۔ لیکن مرتے ہوئے اس میر زاہد کی حقیقت معلوم ہو گی، اس وقت بزبان حال یوں کہیں گے ۔

ایھا القوم الذی فی المدرسة کل ما حصلتموہ وسوسة
علم نبود غیر علم عاشقی مابقی تلبیس ابلیس شقی (۲)

غیر ضروری علوم سے احتراز

میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپ کا یہی دل چاہتا ہے کہ موت کے وقت

(۱) منطق کی ایک کتاب کا نام ہے (۲) اے مدرسہ میں پڑھنے والی قوم تم نے جو بھی حاصل کیا ہے وہ صرف وساوس پر مبنی ہے علم عاشق (عشق الٰہی) کے علاوہ اور چیزوں کا علم علم نہیں ہے اس کے علاوہ جو علوم ہیں وہ تو صرف شیطان کی تلبیس ہیں۔

صدرا کی مشاۃ بالتکریر(۱) کی تقریر زبان سے نکلے ہرگز نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ علم ضروری نہیں بلکہ زائد از ضرورت ہے۔ لہذا قاعدہ مسلمہ ''الضروری تقدر بقدر الضرورۃ'' (۲) پر عمل فرما کر غیر مقصود میں اس قدر غلو نہ کیجئے۔ یہ مسلّم پائخانہ ایک ضروری شئی ہے مگر آدمی بقدر ضرورت ہی پائخانہ میں رہتا ہے یہ نہیں کہ پائخانہ کے ساتھ دل بستگی اور شیفتگی ہوجائے۔ اسی طرح جب فلسفہ وغیرہ محض آلات ہیں اور علوم دینیہ کے لئے مقدمات کے درجہ میں ان کی ضرورت ہے نہ کہ مقصودیت کے درجہ میں تو بقدرِ ضرورت ہی ان کا اکتساب (۳) اور شغل کیجئے البتہ منطق بہت ضروری اور مفید ہے مگر رفع ضرورت کے لئے منطق میں قطبی (۴) ہی تک سمجھ کر پڑھ لو تو بہت ہے، ملاحسن اور حمداللہ کی بھی کیا ضرورت، ایک رسالہ بھی منطق کے لئے کافی ہے جعل بسیط و مرکب منطق کا مسئلہ نہیں بلکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے، مگر اس کی بحث خواہ مخواہ علم منطق میں اور کتب منطقیہ میں موجود ہے، اسی طرح اور بہت سے مسائل فلسفہ کے کتب منطق میں ٹھونس رکھے ہیں، انہی کے لئے مدرسین اور طلباء بہت سے رسالے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ فلسفہ ضرورت سے زیادہ ہے، آج کل اکثر طلباء کے خطوط میرے پاس منطق وفلسفہ کے عدم فہم کی شکایت کے آتے ہیں میں لکھ دیتا ہوں کہ چھوڑ دو قرآن و حدیث پڑھو، مگر اس زمانہ میں حدیث و قرآن سے بہت ہی کم تعلق ہے معقولات سے دلچسپی زیادہ ہے، اس لئے وہ درسیات سے فارغ ہوکر ایسے مولوی بنتے ہیں کہ ؎

مولوی گشتی وآگہ نیستی خود کجاؤ از کجاؤ کیستی (۵)

سب کے لئے حسبِ حال تعلیم

غرض مکلفین میں تین قسم کے لوگ تھے، حق تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کی حالت کے مطابق اس آیت میں نصیحت فرمائی ہے، ہر ایک کو اس کی حالت کے مطابق

(۱) فلسفہ قدیم کی ایک کتاب کا نام ہے اور مشاۃ بالتکریر اس میں ایک بحث ہے (۲) جو چیز جتنی ضروری ہو اس کو بقدر ضرورت ہی حاصل کرنا چاہئے (۳) بقدر ضرورت ہی ان کو حاصل کرنا چاہیئے (۴) منطق کی کتاب (۵) مولوی بن گئے ہو لیکن یہ تک پتہ نہیں کہ تم کون ہو اور تمہاری حیثیت کیا ہے۔

ضروری امر کی رغبت دلائی، جاہلوں کو علم کی رغبت دلائی ہے اور اہل علم کو عمل کی اور عالم باعمل کو حال کی، جیسا کہ توضیحات سے واضح ہو چکا ہے۔

حال کی حقیقت

اور حال وہ چیز ہے کہ بدون اس کے کوئی عمل کامل نہیں ہوسکتا۔ بدون حال کے عمل کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کو آدمی ٹھیلتے ہوں، آخر کب تک ٹھیلیں گے اور کیا اس طرح منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، بہت مشکل ہے اور ہر وقت خطرہ ہے کہ بیچ ہی میں تھک کر چھوڑ دیں ہم نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے جو اعمال کے بہت پابند تھے مگر حال سے خالی تھے انہوں نے مرض الموت میں نماز چھوڑ دی جس کا سبب یہی تھا کہ حال سے محروم تھے اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن میں اسٹیم بھرا ہوا ہو کہ وہ بہت جلد گاڑی کو منزل پر پہنچا دیتا ہے اور اس میں یہ خطرہ نادر ہے کہ بیچ ہی میں گاڑیوں کو چھوڑ دے، اسی کو کہتے ہیں کہ ؎

تسبیح و خرقہ لذت مستی بہ بخشدت ہست دریں عمل طلب از مے فروش کن

صاحبو! عمل کی ہمت مستی حال سے پیدا ہوتی ہے اس کو حاصل کرو بحمداللہ اب بھی ایسے ساقی موجود ہیں جن کے یہاں شراب محبت فروخت ہوتی ہے جس کی قیمت صرف طلب ہے، طلب کی پونجی لے جاؤ اور جتنی چاہو شراب خرید لو۔ مگر طلب کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے کو اس کے سپرد کردو کہ وہ جو چاہے تمہارے اندر تصرف کرے اور جس طرح چاہے آزمائے کیونکہ اس شراب کے پینے کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان شرائط کے بعد ہی پلائی جاتی ہے، بغیر ان کے ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا اور بدون شراب محبت پئے ہوئے حال پیدا نہیں ہوسکتا۔

کامیابی کا طریق

بعض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بس ایک چھو سے

مستی پیدا ہوجائے یہ غلط خیال ہے، اگر کوئی شخص شراب خانہ میں جا کر خمار سے یوں کہے کہ ایک پھونک مار کر اور چھو کر کے مجھے اس طرح کی شراب دیدے جس سے بدون پیئے ہی مجھ میں مستی پیدا ہوجائے اور کسی قسم کی تلخی بھی نہ معلوم ہو، یقین ہے کہ ساقی بھی یہی جواب دے گا کہ مستی پیدا کرنے کی صورت تو یہی ہے کہ دام خرچ کرو، اور شراب پیو اور میری چھو یہی ہے کہ اسے پی جاؤ، پھر حیرت ہے کہ ظاہری مستی تو جو کہ ایک معمولی چیز ہے بدون کچھ خرچ کئے اور بغیر پیئے حاصل نہ ہوسکے۔ اور باطنی مستی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے ایک چھو سے حاصل ہوجاوے، اور تمہیں کچھ نہ کرنا پڑے، آج کل بعض لوگ شیوخ کاملین کے پاس جاتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم کو کسی قسم کی محنت اور مشقت برداشت نہ کرنا پڑے بلا محنت کلفت کے مقصود حاصل ہوجاوے، ایسے لوگوں کو طلب کا نام لینے ہی کیا ضرورت ہے جب وہ تلخی شراب کی بھی تحمل نہیں کرسکتے ۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن از چنیں شیر ژیاں پس دم مزن (۱)

بلا مشقت علم وعمل کے حصول کی تمنا کی مثال

مثنوی میں ایک حکایت پر مولانا نے یہ شعر فرمایا ہے کہ ایک شخص اپنا بدن گدوانے چلا اور اور گودنے والے سے جا کر کہا کہ میرے شانہ پر شیر کی تصویر بنادے تاکہ لڑائیوں میں بہادر رہوں اور شجاعت کا مجھ میں اثر رہے، اس نے اس کے کہنے کے مطابق ایک مقام پر سوئی چبھوئی تو آپ سے سوئی کی تکلیف برداشت نہ ہوسکی شور وغل مچانا شروع کیا اور اس سے سوال کیا کہ میاں کیا عضو بناتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ دم بنا رہا ہوں، فرمانے لگے کہ بے دم کا بھی شیر ہوتا ہے، دم کو چھوڑ دو یہ دم کٹا ہی سہی۔ اس نے دوسری جگہ سے گودنا شروع کیا۔ اس دفعہ آپ نے پہلی مرتبہ سے زیادہ شور مچایا اور پوچھا کہ اب کونسا حصہ بنتا ہے؟ تو اس نے جواب

(۱) جب تم سوئی کی چبھن برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو پھر اپنے جسم پر شیر کی تصویر بنوانے کی خواہش نہ کرو۔

دیا کہ کان تو آپ فرمانے لگے کہ کانوں کو بھی جانے دو بُو چاہی سہی، کیونکہ شیر کا وجود کانوں پر موقوف نہیں۔ اس نے وہ جگہ چھوڑ کر تیسری جگہ سوئی لگائی آپ نے دستور سابق دریافت کیا کہ اب کیا بنا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ پیٹ، آپ فرماتے ہیں کہ تصویر کو پیٹ کی کیا حاجت ہے، اسے کوئی کھانا پینا تو نہیں ہے، اس نے جھلا کر سوئی زمین پر پٹخ دی اور کہنے لگا کہ ؎

شیر بے گوش سرو اشکم کہ دید ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید (۱)

کہ ایسا تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا، میں کس طرح بناؤں، پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن از چنیں شیرے ژیاں پس دم مزن

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یا مکن با پیلباناں دوستی یا بناکن خانہ برانداز پیل (۲)
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی یا فرد شو جامہ تقویٰ بہ نیل

میاں جس جماعت میں شامل ہونا چاہو پہلے اپنے کو اس جماعت جیسا بنالو۔ پھر جماعت کا نام لینا کیونکہ ہر جماعت کی شان جدا ہے، مسخروں کی جماعت دَھول دھپ کے لئے ہے اس میں شریک ہونا چاہو تو دَھول کھانے کو تیار ہو جاؤ، اور مولویوں کی جماعت میں مسائل کی تحقیق ہوتی ہے، اس میں شریک ہونا چاہو تو علمی باتوں کی قابلیت پیدا کرو، اہل حال کی جماعت حالات اور واردات کے لئے ہے اس میں داخل ہونا چاہو تو قال کو پامال کرنے کے لئے آمادہ رہو ؎

ور بہر زخمے تو پرکینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی (۳)

(۱) بغیر کان اور سر اور پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے ایسا شیر تو اللہ میاں نے بھی نہیں بنایا (۲) یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ کرو یا پھر ان سے طور طریقے اختیار کرلو (۳) ہر زخم لگنے پر تو ناراض ہوتا ہے بغیر رگڑے کھائے آئینہ کب بن سکتا ہے۔

غرض اگر ایسے لوگوں کی مجالس میں جانے کا قصد ہو تو پہلے اپنے ارادہ کو بالکل چھوڑ دے اور ''کالمیت فی ید الغسال ''(۱) ہو کر ان کی خدمات میں جائیے۔ وہ لوگ طبیب ہیں اور طبیب جب کبھی مسہل بھی دیتا ہے، گو تلخ ضرور ہوتا ہے، مگر چونکہ وہ مواد فاسد کو دور کر دیتا ہے اس لئے اس کا پینا عقلاً ثقیل اور دشوار نہیں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ بھی طبیب روحانی ہیں، جو شخص واقعی طالب صحت ہو، ان کے پاس جائے گا، وہ کبھی مسہل سے ناک منہ نہ چڑھائے گا خیال تو کرو۔ اگر ایک شخص نے ایک مٹکے میں ڈھیلا گوبر لگا ہوا پھینک دیا تو اب اس میں یہی کرنا پڑے گا کہ گوبر مع پانی کے نکال دیا جائے گا اور صاف کر کے پھر نیا پانی بھرا جائے گا، تو وہ بھی اس کو دھوئیں گے مانجیں گے اور اچھی طرح صاف کریں گے۔ پھر اس کے بعد پانی بھریں گے، مگر آج کل ناپاک پانی کے صاف کرنے کا تو لوگوں کو خیال نہیں اور پہلے ہی دن نیا پانی بھرنا چاہتے ہیں، پس تسبیح و زہد وغیرہ پر نظر ہے، حالانکہ نیا پانی اسی وقت صاف ستھرا رہے گا جبکہ نکما اور میلا پانی پہلے صاف کر لیا جاوے لہذا اخلاق رویہ کو پیشتر صاف کرنے کی حاجت ہوگی اور اس کے ساتھ ہی ان مضر علوم کو بھی رخصت کرنا پڑے گا جو آپ کے دماغ میں مکدر پانی کی طرح بھر رہے ہیں۔ اس کے بعد پھر صاف اور عمدہ پانی آوے گا یہ ہے طریقہ کامیابی کا۔ اس مجموعہ کے متعلق یہ ارشادات ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو(۲)
تسبیح و خرقہ لذت مستی نہ بخشدت ہمت دریں عمل طلب مے فروش کن (۳)
فکر خود ورائے خود عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی وخودرائی (۴)

مگر ان سب تدبیروں کے بعد بڑی شرط یہ ہے کہ طالب ہو اور عاشق ہو، اور اس طرح بے چین ہو کہ طلب میں اس کا یہ درد ہو ؎

(۱) جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے (۲) باتیں بنانی چھوڑ و اپنے اوپر حال طاری کرو، کسی کامل بزرگ کے سامنے خود کو مٹا دو (۳) صرف تسبیح ہاتھ میں لینے اور گدڑی پہننے سے سرمستی حاصل نہ ہوگی اس راہ ہیں ہمت اور عمل ہی منزل تک پہنچاتا ہے (۴) اپنی فکر اپنی رائے کو اہمیت دینا اس راہ کا طریق نہیں مذہب تصوف میں خود بینی اور خدرائی کفر کے مترادف ہے۔

اے بادشاہ خوباں داد از غم تنہائی دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی
اے درد تو ام درماں بربستر ناکامی وے یاد تو ام مونس درگوشۂ تنہائی

جب طلب میں اس قدر پریشانی ہوگی، اس وقت مربّی روحانی اور طبیب باطن یہ کہے گا کہ ؎

من غم تو مے خورم تو غم مخور برتو من مشفق ترم از صد پدر (۱)

اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ﴿وَاللّٰہ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْر﴾ سے یعنی جب تمہاری یہ حالت ہوگی ہم کو بھی خبر ہوگی اور تم پر لطف فرمادیں گے۔ غرض آیت مذکورۃ الصدر (۲) میں جیسا کہ تقریر کی گئی علم وعمل وحال تینوں کی طرف اشارہ ہے اور بقدر ضرورت بحمداللہ تینوں کا بیان بھی ہوگیا، جو عمل کے لئے کافی وافی ہے، اور چونکہ میرے مواعظ اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں، اس لئے مواعظ کے نام بھی رکھ دیئے جاتے ہیں تو اس وعظ کا نام بھی رکھنا مناسب ہے۔ چنانچہ میں اس بیان کا نام ''علوالعباد من علوم الرشاد'' رکھتا ہوں جس میں نام مبارک استاذی جناب مولانا عبدالعلی صاحب کی طرف بھی اشارہ ہے، جو اصل آمر ہیں (۳) اس بیان کے اور نیز اس میں مضمون آیت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ اس آیت میں بیان ہے علو درجات عباد کا (۴)۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں اور قال کے ساتھ حال بھی نصیب ہو آمین!

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین (۵)

(۱) میں تیرے لئے پریشان ہوں تو پریشان نہ ہو میں سو باپوں سے زیادہ تجھ پر شفیق ہوں (۲) شروع میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس میں (۳) جنہوں نے اصل میں وعظ بیان کرنے کا حکم دیا تھا (۴) عبادت کے درجات کی بلندی (۵) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے تمام احباب کے حق میں اس دعا کو قبول فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

صفر المظفر ۱۴۳۱ھ